

# احكام سفر

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

تالیف

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانبار

مکتبہ قرآن و حدیث  
لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

### ☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



www.KitaboSunnat.com

# احکام سفر



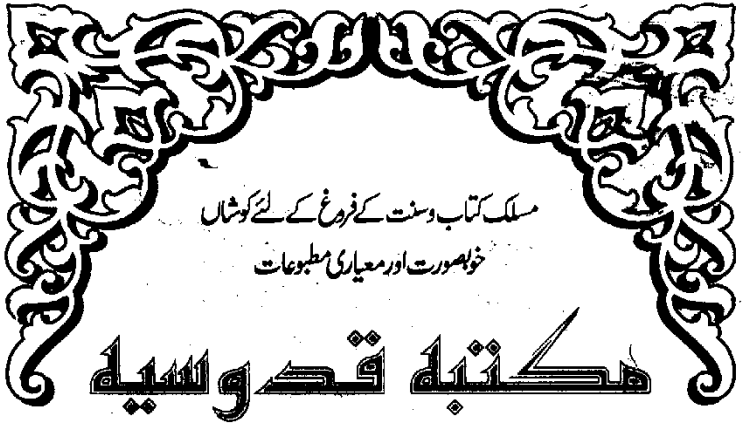


# احکام سفر

تالیف

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جناح

مکتبہ قدوس  
ارون بازار لاہور



جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر \_\_\_\_\_ ایوب کر قدوسی  
اشاعت \_\_\_\_\_ نومبر 2003ء  
مطبع \_\_\_\_\_ موزوں پریس



**MAKTABA QUDDUSIA**  
REHMAN MARKET GHAZNI STREET URDU BAZAR  
LAHORE - PAKISTAN. Ph: 7351124 - 7230585  
Fax: 92 - 42 - 7230585 Email: qadusia@brain.net.pk

صفحہ	فہرست مضامین	نمبر شمار
۱۱	تقریظ	۱
۱۲	تقریظ	۲
۱۵	پیش لفظ	۳
۱۷	انسانی زندگی کی حالتیں	۴
۱۸	سفر کی مختلف اقسام	۵
۱۸	اول یعنی دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا	۶
۱۸	فضائل ہجرت	۷
۲۰	دوسرا دارالبدعت سے نکل جانا	۸
۲۰	تیسرا سفر	۹
۲۰	چوتھا سفر جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لئے	۱۰
۲۱	پانچواں سفر آب و ہوا کی خرابی اور امراض کے خطرے سے بچنے کیلئے ہے	۱۱
۲۲	چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے	۱۲
۲۲	سفر عبرت یعنی دنیا کی سیاحت و سفر	۱۳
۲۲	سفر حج	۱۴
۲۳	سفر جہاد	۱۵
۲۳	سفر جہاد اور اس کے فضائل	۱۶
۲۵	سفر معاش	۱۷
۲۵	سفر معاش کے فضائل	۱۸
۲۶	سفر تجارت	۱۹
۲۶	طلب علم کے لئے سفر کے فضائل	۲۰

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ
۲۱	اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر	۲۷
۲۲	عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر	۲۷
۲۳	کسی مقام کو مقدس اور تبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا	۲۸
۲۴	صبح سفر کرنا باعث برکت ہے	۳۳
۲۵	سفر میں ساتھی بنانا	۳۴
۲۶	ہمسفر کے متعلق حضور ﷺ کی خصوصی ہدایت	۳۶
۲۷	سفر میں رفقاء کی تعداد	۳۷
۲۸	سفر میں امیر مقرر کرنا	۳۸
۲۹	جمعرات کے روز سفر کرنا مستحب ہے	۳۸
۳۰	اس کی حکمت!	۳۹
۳۱	جمعہ کے روز سفر	۴۰
۳۲	سفر سے پہلے استحارہ کرنا	۴۱
۳۳	جب سفر کا عزم پختہ ہو جائے	۴۳
۳۴	وصیت	۴۳
۳۵	معاملات کا تقفیہ	۴۳
۳۶	حسن سلوک	۴۳
۳۷	گناہوں کی معافی	۴۳
۳۸	ضروری معلومات	۴۴
۳۹	علیک سلیم	۴۴
۴۰	مسافر کو نصیحت	۴۴



صفحہ	فہرست مضامین	نمبر شمار
۴۵	دوستوں کی طرف سے الوداعی کلمات	۴۱
۴۵	مسافر کی طرف سے الوداعی کلمات	۴۲
۴۶	مسافر کے لئے دعا کرنا	۴۳
۴۶	سفر شروع کرنے سے پہلے دو رکعت نماز	۴۴
۴۶	سفر پر روانگی کے وقت کی دعا	۴۵
۴۷	سفر کے لئے اٹھنے کی دعا	۴۶
۴۷	سفر پر روانہ ہوتے وقت کی دعائیں	۴۷
۴۷	گھر سے نکلنے کی دعا	۴۸
۴۸	سواری پر بیٹھنے سے پہلے ذکر الہی کی تاکید	۴۹
۴۹	سواری پر بیٹھنے کی دعاء	۵۰
۵۲	مسافر کے لئے ایک مجرب نسخہ	۵۱
۵۲	دوران سفر پڑھنے کی دعائیں	۵۲
۵۳	بلندی پر چڑھنے کی دعا	۵۳
۵۳	اگر سواری پھسل جائے	۵۵
۵۴	دوران سفر کسی مقام پر آرام کے لئے اترنے کی دعا	۵۶
۵۴	آبادی کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا	۵۷
۵۵	آبادی میں داخل ہونے کی دعا	۵۸
۵۶	شام کے وقت کی دعا	۵۹
۵۶	صبح کے وقت کی دعا	۶۰
۵۷	بحری سفر کی دعا	۶۱

صفحہ	فہرست مضامین	نمبر شمار
۵۸	دوران سفر کثرت ذکر	۶۲
۵۸	سواری پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لاد جائے	۶۳
۵۹	اہل و عیال کے ساتھ سفر اور اس کے آداب	۶۴
۵۹	قرعہ اندازی	۶۵
۶۰	سفر میں دعا کی قبولیت	۶۷
۶۰	سفر میں گھنٹی اور کتے کو ساتھ رکھنے کی ممانعت	۶۸
۶۰	سواری کے (جانور کے) آداب	۶۹
۶۰	جانور کو بھوکا نہ رکھا جائے	۷۰
۶۱	دوران سفر عورتوں کے آرام آسائش کا خیال رکھا جائے	۷۱
۶۱	عورت کا تنہا سفر کرنا منع ہے	۷۲
۶۲	عورت کا سفر حج	۷۳
۶۳	فراغت کے بعد سفر سے جلدی آ جانا چاہئے	۷۴
۶۳	سفر سے واپسی پر دوستوں کی دعوت کرنا	۷۵
۶۵	سفر سے واپسی کی دعا	۷۶
۶۵	واپسی پر تحیۃ المسجد	۷۷
۶۶	طویل سفر کے بعد اچانک رات کو گھر آنا منع ہے	۷۸
۷۷	اچانک نہ آنے کی حکمت	۷۹
۷۸	شان و رور	۸۰
۷۹	گھر والوں کے لئے تحفہ	۸۱
۷۹	عند الملاقات سلام	۸۲

صفحہ	فہرست مضامین	نمبر شمار
۷۰	مصافی	۸۳
۷۲	مصافی کا اجرا اور اس کی برکتیں	۸۴
۷۲	معاذہ و تقبیل	۸۵
۷۶	سفر کی نماز	۸۶
۷۷	قصر، عزیمت ہے یا رخصت	۸۷
۷۹	سفر میں نفلی نماز	۸۸
۷۹	راتبہ	۸۹
۷۹	غیر راتبہ	۹۰
۸۴	قصر نماز کے لئے سفر کیسا ہو	۹۱
۸۶	مقدار سفر	۹۲
۸۶	الحدیث	۹۳
۸۷	عرف عام	۹۴
۸۹	مدت سفر	۹۵
۹۰	سفر میں دو نمازیں جمع کرنا	۹۶
۹۰	جمع کی اقسام	۹۷
۹۱	جمع تقدیم	۹۸
۹۳	جمع صوری	۹۹
۹۶	جمع صوری پر علماء کے اعتراضات	۱۰۰
۹۷	حضر میں جمع کوٹا	۱۰۱
۹۸	اشکال	۱۰۲
۱۰۰	خلاصہ بحث	۱۰۳

صفحہ	فہرست مضامین	نمبر شمار
۱۰۰	بارش کی وجہ سے جمع کرنا	۱۰۴
۱۰۱	مرض کی بناء پر جمع کرنا	۱۰۵
۱۰۲	تیمم کی تعریف اور اس کی ضرورت	۱۰۶
۱۰۳	حضرت عائشہؓ کے ہارگم ہونے کا واقعہ اور نزول آیت تیمم	۱۰۷
۱۰۴	آیت تیمم کس سفر سے متعلق ہے؟	۱۰۸
۱۰۷	آیت تیمم سے کیا مراد ہے؟	۱۰۹
۱۱۰	طریقہ تیمم	۱۱۰
۱۱۱	ایک ضرب کے قائلین کے دلائل	۱۱۱
۱۱۶	دوسرے مسلک کے دلائل	۱۱۲
۱۱۸	موزوں اور جرابوں کا مسح	۱۱۳
۱۱۸	موزوں پر مسح کرنے کا جواز	۱۱۴
۱۱۸	جرابوں پر مسح کرنے کا جواز	۱۱۵
۱۱۹	موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی شرط	۱۱۶
۱۲۰	مسح پاؤں کے کس حصہ پر کیا جائے	۱۱۷
۱۲۰	مسح کی مدت	۱۱۸
۱۲۰	وہ چیزیں جن سے مسح ختم ہو جاتا ہے	۱۱۹
۱۲۱	مقیم کا مسافر کے پیچھے نماز پڑھنا	۱۲۰
۱۲۱	مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا	۱۲۱
۱۲۲	سفر میں روزہ کا حکم	۱۲۲
۱۲۵	ائمہ دین کی تحقیق	۱۲۳
۱۲۵	امام شوکانی رحمہ اللہ کی تحقیق	۱۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تقریظ

از مولانا عطاء الرحمن اشرف حفظہ اللہ (جامعہ رحمانیہ سابقہ جامعہ ابراہیمیہ) ناٹروڈ  
سیالکوٹ۔ جامعہ رحمانیہ کے چار شعبے ہیں۔

(۱) درس نظامی۔ (۲) تحفہ القرآن۔ (۳) الافقاء۔ (۴) شعبہ تصنیف و تالیف۔  
ہر شعبہ کی اپنی اپنی جگہ پر بہت اہمیت ہے۔ مگر ان سب شعبوں میں اہم ترین شعبہ  
تصنیف و تالیف ہے۔ جامعہ کے شعبہ تصنیف و تالیف کے اہم ترین مقاصد و اہداف میں  
سے ایک اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ جدید مسلمان نسل کی اصلاح و تربیت کے لئے دین اسلام  
کے مختلف دینی و اخلاقی موضوعات پر کتابیں اور رسائل تالیف و تصنیف ہوں۔ اور جامعہ  
کی آرزو یہی ہے کہ اس نئی نسل کے لئے الف سے یاء تک تمام دینیات، عبادات،  
اخلاق وغیرہ پر نئی نئی کتب و کتابچے شائع ہوتے رہیں تاکہ جو پیاس اور تشنگی محسوس ہو رہی  
ہے اسے بجھانے کی تدبیر ہو سکے۔

اس سلسلہ کی یہ کتاب ”احکام سفر“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل جامعہ  
کی طرف سے: (۱) نفحات العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر۔

(۲) اہمیت نماز۔ (۳) احکام دعاء اور توسل۔

(۴) تحفۃ الوری فی تحقیق مسائل عید الاضحیٰ۔

(۵) صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ (زیر طبع)۔ (۶) دوران خطبہ دو رکعت پڑھنے کا ثبوت۔

(۷) مسائل قربانی۔ (۸) تحفۃ الوری فی اثبات الجمعة فی القری۔

(۹) مسائل الحج۔ یہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ (۱۰) توہین رسالت کی شرعی سزا۔

(۱۱) آل مصطفیٰ ﷺ۔ (۱۲) معراج مصطفیٰ ﷺ۔ (۱۳) احکام عدت۔

(۱۴) احکام طلاق۔ (۱۵) اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت۔ (۱۶) ارکان اسلام۔

(۱۷) انجاز الحاجہ فی شرح سنن ابن ماجہ (عربی) اس کی دو جلدیں مطبوع ہو چکی ہیں اور باقی بھی نمبر وار شائع ہوں گی (ان شاء اللہ) اور یہ شرح ۱۵۱۴ جلدوں پر محیط ہوگی۔

مہتمم جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ شیخ الحدیث حضرت الحاج مولانا محمد علی جانباڑ تمام مکاتیب فکر میں متعارف اور جانی پہچانی شخصیت ہیں اور حضرت موصوف مضامین، فتاویٰ اور علمی شاہکار ہفت روزہ الاسلام، الاعتصام اور اہل حدیث میں آج تک شائع ہوتے رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کا حلقہ عقیدت و احترام بہت ہی وسیع ہے اور غائبانہ طور پر بہت متعارف ہیں۔ قارئین کرام ان کے مضامین کی خطوط کے ذریعہ داد و تحسین کرتے رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اخبارات کے مدیر حضرات ان کے مضامین کے بہت طلبگار ہوتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مولانا عام فہم اردو زبان میں تحریر فرماتے ہیں۔ ان کی تحریر بڑی محنت اور عرق ریزی سے عمدہ تحقیق اور علمی بصیرت و انصاف سے مرتب ہوتی ہے۔

صاحب البیت ادزی بما فیہ کی طرح حضرت مولانا جانباڑ صاحب جب بھی کسی مضمون پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس کا حق ادا کر کے چھوڑتے ہیں اور اسے تشنہ طلب نہیں رہنے دیتے بلکہ تمام گوشوں کو خوب ٹٹول ٹٹول کر اور تمام مخفی امور کو خوب آشکارا کر کے چھوڑتے ہیں اور یہ ان کا ہی حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے حضرت مولانا کی زبان میں سلاست اور قلم میں بہت روانی پیدا کی ہوئی ہے کہ جب تک مضمون مکمل نہ ہو جائے تھمتا ہی نہیں۔ الحمد للہ مولانا ممدوح نے اس کتاب میں توقع سے زیادہ ہی مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا ہے اور تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

۱۔ اب یہ بند ہو چکا ہے۔

میرے ناقص علم میں اب یہ اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے۔ مجبان علوم رسالت کو مولانا صاحب کا ممنون و مشکور ہونا چاہئے کہ یہ قیمتی ذخیرہ ان کے ذریعے وقف عام ہو رہا ہے۔

اللہ وحدہ لا شریک لہ ان کی اس خدمت جلیلہ کو شرف قبول فرمائے اور مولانا کو مزید ترقی سے نوازے۔ تاکہ اس قسم کے علمی جواہر پاروں سے مسلمانان عالم کے دامن کو مالا مال کریں۔ اور یہ علمی خدمات حضرت موصوف کے لئے اجر جزیل اور بلندی درجات کا موجب ہوں اور ارباب ذوق کو اپنی نگفستہ تالیفات و انتخابات سے مزید نوازتے رہیں۔ آمین یا الہ العالمین۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ ولی الہدایۃ والتوفیق وهو حسبنا ونعم الوکیل۔  
وصلی اللہ علی حبیبہ سید الانام محمد و علی الہ واصحابہ اجمعین۔  
ما بقیت الدنیا الی یوم الدین۔

خادم العلم و اہلہ  
عطاء الرحمن اشرف  
جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ  
۱۵ نومبر ۲۰۰۲ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تقریظ

از مولانا بشیر انصاری صاحب ایم۔ اے، مدیر اعلیٰ ”الاسلام“ جامعہ محمدیہ چوک  
اہل حدیث گوجرانوالہ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور عالمگیر  
دین ہے جس کی تعلیمات اور اقدار اس قدر تابناک اور آفاقی ہیں کہ زندگی کا کوئی شعبہ  
مسائل کا کوئی پہلو، سفر حیات کا کوئی موڑ، فکر و نظر کا کوئی گوشہ اور سعی و عمل کا کوئی عنوان  
ایسا نہیں جس کے لئے اسلام سے روشنی اور سیرت رسول نبوی ﷺ سے ہدایات نہ ملتی  
ہوں۔ ایسے حالات میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان ہدایات کو اپنے فکر و عمل کا محور  
بنائے اور دارین میں فلاح و کامرانی حاصل کرے۔

عرصہ ہوا ہمارے فاضل اور محقق دوست شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانابز  
مہتمم جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ نے ہماری خواہش پر ہفت روزہ ”الاسلام“ میں ”سفر کے  
احکام و اذکار“ کے موضوع پر لکھنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اس کی متعدد قسطیں ”الاسلام“  
میں شائع ہوئیں جسے اہل علم نے بے حد پسند کیا۔ مگر مولانا موصوف اپنی گونا گوں  
مصروفیات کی بناء پر یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ لیکن جب اہل علم کا اصرار شدت اختیار کر  
گیا تو انہوں نے اس موضوع پر کتاب و سنت کی روشنی میں ایک جامع کتاب مرتب فرما  
دی جو کم و بیش یک صد عنوانات پر مشتمل ہے۔ ہماری رائے میں مولانا موصوف نے یہ  
محققانہ کتاب لکھ کر بڑی حد تک موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مولانا  
موصوف تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ جاری رکھیں گے اور اپنے رشحات فکر اور تحقیق سے  
لوگوں کو مستفید کرتے رہیں گے۔

بشیر انصاری، ایم۔ اے

مورخہ ۱۶۔ مارچ ۱۹۸۴ء



## پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے جو دین اسلام ہمیں عطا فرمایا ہے وہ ہر لحاظ سے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اور یہ دین ہمیں چونکہ اس کے آخری رسول ﷺ کی معرفت ملا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زندگی کو تمام مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کے سفر و حضر کا کوئی ایسا گوشہ اور موڑ نہیں ہے جس میں ہدایت کی ضرورت ہو اور آپ کی طرف سے کوئی ہدایت و رہنمائی نہ ملے ہو۔ اس لئے ہر شخص کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے سفر و حضر کو اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق بنائے۔ اسی میں دین و دنیا کی کامیابی ہے۔

چند سال گزرے کہ میں نے ”سفر کے احکام و اذکار“ کے عنوان پر لکھنا شروع کیا تھا جو مفت روزہ ”الاسلام“ گوجرانوالہ میں چھپتا رہا۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ مقالہ اہل علم میں اتنا پسند کیا جائے گا۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اسے شرف قبول بخشا اور ارباب فضل و کمال نے اس کو پسند کیا۔ اس دوران جن بزرگوں اور دوستوں نے مجھے حوصلہ افزاء کلمات سے یاد فرمایا ان میں سے بعض نے اسے الگ ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کرنے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ انہی دوستوں کے مشورہ کی بناء پر اسے رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے جس میں آداب سفر، اذکار سفر اور مسائل و احکام سفر کتب احادیث سے جمع کئے گئے ہیں تاکہ عوام الناس اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے سفر کو اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق بنا کر عند اللہ

ماجور ہوں۔

اس رسالہ کی تالیف و تسوید میں عزیزم مولوی محمد یونس صاحب امر جالوی فاضل عربی، فاضل جامعہ رحمانیہ نے حوالہ جات کی تلاش و جستجو میں مہرے ساتھ بہت زیادہ تعاون کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور مولف کے لئے زاد آخرت بنائے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

محمد علی جانباز

جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ

۶۔ جنوری ۱۹۸۳ء



## انسانی زندگی کی حالتیں

انسانی زندگی کی دو حالتیں ہیں:

۱: حالت حضر ۲: حالت سفر

ان دونوں حالتوں میں سے مؤخر الذکر حالت میں چونکہ مشقت و تکلیف کا امکان زیادہ ہوتا ہے بدیں وجہ اللہ رحیم و کریم نے اس امت پر رحم کرتے ہوئے تخفیف و یسر کی سہولت سے نوازا ہے۔ کیونکہ ہمارے دین میں تنگی نہیں ہے ہمارا دین تمام دینوں سے آسان ہے۔ جہاں مشقت و تکلیف کا امکان تھا وہاں تخفیف کا سوال کئے بغیر خود ہی اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا کر دی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت ابو عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے، سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ وضو یا غسل کر کے تشریف لائے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضور ﷺ کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کا دین آسانوں والا ہے۔ تین مرتبہ بھی فرمایا۔ (ابن کثیر: ج ۱ ص ۳۸۳)

ایک اور روایت میں ہے حضرت حُجْن بن ادرع فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ غور سے آپ دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے نہ سناؤ کہیں

یہ تعریف اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ سنو اللہ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ (ابن کثیر، حوالہ مذکورہ بالا)

## سفر کی مختلف اقسام

امام قرطبی نے سورہ نساء کی تفسیر میں ہجرت اور ترک وطن کی قسمیں اور ان کے کچھ احکام پر ایک مفید مضمون تحریر فرمایا ہے، اتمام فائدہ کے لئے اسے نقل کیا جاتا ہے۔  
قرطبی نے بحوالہ ابن عربی لکھا ہے کہ وطن سے نکلنا اور زمین میں سفر کرنا، کبھی تو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی کسی چیز کی طلب و جستجو کے لئے۔ پہلی قسم کا سفر جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے ہو اس کو ہجرت کہتے ہیں اور اس کی چھ قسمیں ہیں۔

اول: یعنی دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جانا۔ یہ قسم سفر عہد رسالت میں بھی فرض تھی اور قیامت تک بشرط استطاعت و قدرت فرض ہے جب کہ دار الکفر میں اپنے جان و مال اور آبرو کا امن نہ ہو یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو اس کے باوجود دار الحرب میں مقیم رہا تو گناہگار ہوگا۔

### فضائل ہجرت:

قرآن و سنت میں ہجرت کے فضائل و برکات بہت آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً  
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمُ الْأَكْبَرَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (سورہ نحل)

”جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔“

اس آیت میں اللہ احکم الحاکمین نے چند شرائط کے ساتھ مہاجرین کے لئے دو عظیم الشان وعدے کئے ہیں۔ اول تو دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دینے کا دوسرے آخرت

کے بے حساب ثواب عظیم کا۔ دنیا میں اچھا ٹھکانا ایک نہایت جامع لفظ ہے۔ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجر کو سکونت کے لئے مکان اور پڑوسی اچھے ملیں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو رزق اچھا ملے دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہو جائے عام لوگوں کی زبان پر ان کی تعریف اور بھلائی ہو عزت و شرف ملے جو ان کے خاندان اور اولاد تک چلے۔

مہاجرین حبشہ و مدینہ کا سب لوگوں نے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ان کا کیسا اچھا ٹھکانا بنا دیا، ایذا دینے والے پڑوسیوں کے بجائے غنوار ہمدرد و جاں نثار پڑوسی ملے دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہوا، ہجرت کا تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد ان پر رزق کے دروازے کھل گئے، فقراء و مساکین مالدار ہو گئے، دنیا کے ممالک فتح ہو گئے۔ ان کے حسن اخلاق اور حسن عمل کے کارنامے رہتی دنیا تک ہر موافق و مخالف کی زبان پر ہیں۔ ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت و شرف بخشا۔ یہ تو دنیا میں ہونے والی چیزیں تھیں جو ہو چکیں اور آخرت کا وعدہ پورا ہونا بھی یقینی ہے۔

﴿قَالِ الَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَا يَكْفُرُونَ عَنْهُمْ سَبِيلُهُمْ وَلَا ذَلِيلُهُمْ جَنَاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ (سورۃ آل عمران)

”جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (سورۃ الانفال)

”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھریا چھوڑا اور جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں ان کے لئے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورہ بقرہ)

”جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھریا چھوڑا اور جہاد کیا ہے وہ رحمت الہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے۔“

یعنی جو لوگ حقیقۃً ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور جہاد میں حصہ لیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں۔  
دوسرا سفر دارالبدعت سے نکل جانا:

ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس مقام میں قیام کرنا حلال نہیں جس میں سلف صالحین پر سب و شتم کیا جاتا ہو۔ ابن عربی یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اگر تم کسی منکر کا ازالہ نہیں کر سکتے تو تم پر لازم ہے کہ خود وہاں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَإِذْ رَأَيْتُ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ (سورۃ الانعام: ۶۸)

”اور (اے محمد ﷺ!) جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چیں کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں۔“

تیسرا سفر:

وہ ہے کہ جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا، کیونکہ طلبِ حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

چوتھا سفر جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لئے:

یہ سفر جائز اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے نکل جائے تاکہ اس خطرہ سے نجات ہو۔ یہ چوتھی قسم

کا سفر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا جب قوم کی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عراق سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور فرمایا ”اِنِّیْ مُہَاجِرٌ اِلَیْ رَیْثِیْ“۔ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی ایک سفر مصر سے مدین کی طرف کیا ”فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا یَّتَرَقَّبُ“۔

پانچواں سفر:

آب و ہوا کی خرابی اور امراض کے خطرہ سے بچنے کے لئے ہے۔

شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ جہواہوں کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کا اشارہ فرمایا کیونکہ شہری آب و ہوا ان کو موافق نہ تھی۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا تھا کہ دار الخلافہ اردن سے منتقل کر کے کسی سطح مرتفع پر لے جائیں جہاں آب و ہوا خراب نہ ہو۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب کسی مقام پر طاعون یا وبائی امراض پھیلے ہوئے نہ ہوں اور جس جگہ وباء پھیل جائے اس کے لئے حکم یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ پہلے سے موجود ہیں وہ وہاں سے نہ بھاگیں اور جو باہر ہیں وہ اس کے اندر نہ جائیں۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سفر شام کے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ سرحد شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسلسل مشورہ کے بعد آخر میں جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوا عَلَيْهَا)) (ترمذی: ص ۱۵۹ ج ۱)

”جب کسی خطہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہو۔“

اس وقت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حکم حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پورے قافلہ کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی دباہ پھیل چکی ہے تو وہاں کے لوگوں میں دباہی جراثیم کا موجود ہونا ظن غالب ہے۔ وہ اگر وہاں سے بھاگیں گے تو جس میں یہ مادہ دباہی برایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں اور جہاں جائے گا وہاں کے لوگ اس سے متاثر ہوں گے اس لئے یہ حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔

چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے ہے:

جب کوئی شخص کسی مقام میں چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ کیونکہ مسلمان کے مال کا بھی ایسا ہی احترام ہے جیسا اس کی جان کا۔

یہ چھ (۶) قسمیں تو اس ترک وطن کی ہیں جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے کیا گیا ہو۔ اور جو سفر کسی چیز کی طلب و جستجو کے لئے کیا جائے اس کی نو (۹) قسمیں ہیں:

۱۔ سفر عبرت:

دنیا کی سیاحت و سفر اس لئے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرت کاملہ کا اور اقوام سابقہ کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کرے۔ قرآن کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے: ﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

حضرت ذوالقرنین کے سفر کو بھی بعض علماء نے اسی قسم کا سفر قرار دیا ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ ان کا سفر زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لئے تھا۔

## ۲۔ سفر حج:

اس کا چند شرائط کے ساتھ فرض اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔ مختلف احادیث میں اس کی بہت زیادہ تفصیل آئی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

میں حضور ﷺ کی خدمت میں منیٰ کی مسجد میں حاضر تھا کہ دو شخص ایک انصاری اور ایک ثقفی حاضر خدمت ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا کہ حضور ہم کچھ دریافت کرنے



آئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا تمہارا دل چاہے تو تم دریافت کر لو اور اگر تم کہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا آپ ہی ارشاد فرمادیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم حج کے متعلق دریافت کرنے آئے ہو کہ حج کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ اور صفاء مروہ کے درمیان دوڑنے کا کیا ثواب ہے؟ اور عرفات میں ٹھہرنے اور شیطان کو کنکریاں مارنے کا اور قربانی کرنے کا اور طواف زیارت کرنے کا کیا ثواب ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس پاک ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری (سواری) اونٹنی جو ایک قدم رکھتی ہے یا اٹھاتی ہے وہ تمہارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور طواف کے بعد دو رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو اور صفاء مروہ کے درمیان سعی کا ثواب ستر غلاموں کو آزاد کرانے کے برابر ہے۔ اور عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ آسمان دنیا پر اتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندے دور دراز سے پراگندہ بال آئے ہوئے ہیں میری رحمت کے امیدوار ہیں اگر تم لوگوں کے گناہ ریت کے ذروں کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تب بھی میں نے معاف کر دیئے۔ میرے بندو! جاؤ بخشے بخشائے چلے جاؤ۔ تمہارے بھی گناہ معاف ہیں اور جن کی تم سفارش کرو ان کے بھی گناہ معاف ہیں۔ (القرئیں لقاصد ام القرئیں : ص ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ آتَى هَذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَزُكَّ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ))

(مشکوٰۃ: ص ۲۲۱)

”جو شخص خلوص نیت کے ساتھ بیت اللہ کی طرف سفر کرے اور اس میں فحش کام اور گالی گلوچ، لڑائی جھگڑے اور فسق و فجور سے بچتا رہے تو وہ گناہوں سے ایسا صاف و پاک ہو جاتا ہے گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جو شخص حج یا عمرہ کے لئے نکلے اور مرجائے نہ اس کی عدالت میں پیشی ہے نہ حساب کتاب۔ اسے کہہ دیا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ (القریٰ مفاصد ام القریٰ: ص ۱۵)  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حج کے لئے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا اور اسی طرح جو شخص عمرہ کے لئے جائے اور راستہ میں مرجائے تو اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا اور جو شخص جہاد کے لئے نکلے اور راستہ میں مرجائے تو اس کے لئے بھی قیامت تک مجاہد کا ثواب لکھا جائے گا۔ (القریٰ: ص ۱۵)

سفر حج اور عمرہ سے گناہوں کی مغفرت اور باطنی پاکیزگی کے علاوہ اس دنیا میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تنگدستی دور ہو کر فارغ البالی کی نعمت میسر ہو جاتی ہے۔ تجربہ کرنے والوں نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ پے در پے حج اور عمرے کرنے سے ان کی تنگدستی خوشحالی میں تبدیلی ہو گئی۔ یہ مضمون بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد سندوں سے نقل ہوا ہے۔

### ۳۔ سفر جہاد:

اس کا فرض یا مستحب ہونا بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔

### سفر جہاد اور اس کے فضائل:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ایک دن رات سرحد کی حفاظت میں رہنا ایک مہینہ تک روزے رکھنے اور نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ اسی دوران مرجائے تو اس کے وہ تمام اعمال جاری رہتے ہیں جو وہ اپنی زندگی میں کرتا تھا اور اس کا رزق بھی جاری رہتا ہے اور وہ فتنہ اٹھانے والے کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ (ابن کثیر: ص ۱۸۸ ج ۲)

ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ:

جس بندے کے قدم راہ خدا میں غبار آلود ہو جائیں تو مجال نہیں کہ اسے جہنم کی آگ چھو بھی جائے۔ (مشکوٰۃ: ص ۳۲۹)

## ۴۔ سفر معاش:

جب کسی شخص کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو سکے تو اس پر لازم ہے کہ یہاں سے سفر کر کے دوسری جگہ روزگار تلاش کرے۔  
سفر معاش کے فضائل:

حضرت کعب بن عجرہ ؓ فرماتے ہیں کہ:

ایک شخص تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ صحابہ کرام ؓ نے اس کے متعلق چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ شخص اپنے جھوٹے بچوں کی خاطر کسب معاش یا بوڑھے ماں باپ کی خدمت یا اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ کرنے کے لئے نکلا ہے تو ان تمام صورتوں میں وہ مجاہد فی سبیل ہے اور اگر غرور یا کے لئے نکلا ہے تو فی سبیل اللہ کی بجائے شیطانی راستہ میں نکلا ہے۔ (کنز العمال: جلد ۴ ص ۶)

حضرت عمر ؓ نے ایک مرتبہ فرمایا:

”مَا مِنْ حَالٍ يَأْتِيْنِي عَلَيْهِ الْمَوْتُ بَعْدَ الْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَأْتِيْنِي وَأَنَا تَيْنِ شِعْبَتَيْنِ جَبَلِ التَّمِيسُ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ۔“

(تفسیر قرطبی: سورہ جمعہ)

”جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی درے سے گزر رہا ہوں اور وہاں مجھ کو موت آ جائے۔“

﴿وَأَعْرَضُونَ بِضُرُبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ (سورہ مزمل)

”کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے پاک رزق کی تلاش اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر جس طرح ایک ساتھ کیا ہے اور بیماری کی مجبوری کے علاوہ ان دونوں کاموں کو نماز تہجد سے معافی یا اس میں تخفیف کا سبب قرار دیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں جائز طریقوں سے روزی کمانے کے لئے سفر کی کتنی اہمیت و فضیلت ہے۔

## ۵۔ سفر تجارت:

یعنی قدر ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا، یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ﴾

ابتغائے فضل سے مراد اس آیت میں تجارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دے دی ہے، تو تجارت کے لئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔

## ۶۔ طلب علم کے لئے سفر:

اس کا بقدر ضرورت دین فرض عین ہونا اور زائد از ضرورت فرض کفایہ ہونا معلوم و معروف ہے۔

## طلب علم کے لئے سفر کے فضائل:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش کے سلسلہ میں کوئی راستہ طے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص کے لئے جنت کی راہ آسان کر دے گا۔ (مشکوٰۃ: ص ۳۲، ج ۱)

علم کی تلاش و جستجو کے لئے جو بھی اٹھے گا خواہ کوئی دور دراز کا سفر ہو یا چند قدم چلنا ہو سب اس فضیلت میں آئیں گے۔ اور علم خواہ ایک مسئلہ اور دین کی ایک بات کا ہو یا پورے علوم شرعیہ و اسلامیہ کا حاصل کرنا مقصود ہو سب طلب علم ہے اور ہر ایک پر حسب مراتب اجر و ثواب ملے گا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جاہل مرجانے کے خوف سے جو بندہ طلب علم کے لئے نکلتا ہے یا سنت مٹ جانے کے ڈر سے اس کے احیاء کے لئے چلتا ہے تو اس کی مثال عازی کی ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلتا ہے۔ جسے عمل نے پیچھے کر دیا نسب اسے آگے نہیں کرے گا۔

(العلم والعلماء: ص ۷۸)

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں علم حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔ فرمایا طلبکار علم کے لئے مبارک ہو! طالب علم کو فرشتے اپنے پروں کے اندر لے لیتے ہیں اور پھر اس کثرت سے آکر اوپر تلے جمع ہو جاتے ہیں کہ آسمان تک ان کا سلسلہ پہنچ جاتا ہے اور یہ صرف اس لئے ہوا ہے کہ فرشتوں کو اس شخص کی مطلوب شے (علم) سے محبت ہے۔ (ترغیب: ص ۹۷، ج ۱)

۷۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر:

جس کو رباط کہا جاتا ہے۔ احادیث کثیرہ میں اس کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔

### ۸۔ عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر:

حدیث میں اس کو بھی باعث اجر و ثواب قرار دیا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں ملاقات کے لئے سفر کرنے والے کے لئے فرشتوں کی دعا کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایک شخص اپنے بھائی سے ملاقات کے لئے چلا جو ایک دوسری بستی میں رہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گزر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ (جب وہ شخص اس مقام سے گزرا تو) فرشتے نے اس سے پوچھا تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو؟ اس بندہ نے کہا نہیں، میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے یعنی اللہ کے لئے محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ تو فرشتے نے کہا کہ:

”إِنِّي رَسُولُ إِلَيْكَ يَا اللَّهُ قَدْ أَحْبَبَكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ، فِيهِ“ (مشکوٰۃ: ص ۳۲۶، ج ۲)

”میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے

کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ تم اللہ کے لئے اس بندے سے محبت کرتے ہو۔“  
اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت ﷺ کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندے کا اپنے کسی بھائی سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اس اللہ محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے سفر کرنا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتے کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ ﴿فَطُوبٰی لَہُمْ وَبَشْرٰی لَہُمْ﴾ (ان کو مبارک ہو! ان کو بشارت ہو)۔

۹۔ کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا:

یہ سوائے تین مسجدوں کے جائز نہیں۔

۱۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ)۔

۲۔ مسجد نبوی (مدینہ منورہ)۔

۳۔ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)۔

### حدیث شد در حال کی تشریح

بعض لوگ مشاہد انبیائے کرام اور مقابر اولیائے عظام کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ حدیث شد در حال سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ ذیل میں سب سے پہلے حدیث شد در حال کا متن مع ترجمہ و تشریح پیش کیا جاتا ہے اور بعد میں علمائے سلف و خلف کے اقوال پیش کئے جائیں گے، جن سے واضح طور پر ثابت ہوگا کہ تقرب و ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد کا سفر جائز ہے بلکہ مستحب ہے، ان کے علاوہ دوسری مساجد و مقابر و مزارات کے لئے شد در حال یعنی سفر جائز نہیں ہے۔

متن حدیث:- «عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد، مسجد الحرام، مسجد الاقصیٰ، ومسجدی هذا»۔

(مشکوٰۃ: ص ۲۱۹، بخاری: کتاب الحج، باب حج النساء۔ مسلم: کتاب الحج)

باب سفر مرآة مع محرم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کجاوے نہیں کئے جاسکتے مگر تین مساجد کی طرف۔ (۱) مسجد الحرام۔ (۲) مسجد اقصیٰ (۳) میری اس مسجد (مسجد نبوی) کی طرف۔

مذکورہ حدیث سے صراحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان تین مساجد کے لئے تقرب و ثواب کی نیت سے سفر کا ارادہ کرنا مستحب ہے۔ ان تین کے سوا کسی اور جگہ ”زیارت“ کے لئے سفر کرنا منع ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے «اللهم لا تجعل قبري وثنا بعد» فرما کر اپنی قبر کو موضع تقدیس قرار دیئے جانے سے پناہ طلب فرمائی۔ پس جب تقرب الی اللہ کے خیال سے عام طور پر مجرذ زیارت قور منع ہے تو رسول اللہ ﷺ کی تربت کی زیارت اس اصول پر تو خصوصیت کے ساتھ ممنوع ہونی چاہئے۔

نحویین کا اختلاف :- مذکورہ شدہ حال کی حدیث کی تشریح میں دورائے پیش کی گئی ہیں:

(۱) ایک رائے تو وہی ہے جو مذکورہ بالا سطور میں پیش کی گئی ہے۔ یعنی نحوی قاعدے کے مطابق اصل عبارت یوں ہے۔ «لا تشد الرحال الی ای موضع من المواضع الا الی ثلاثہ مساجد» یعنی کسی جگہ کا بھی سفر نہیں ہو سکتا مگر صرف تین مساجد اس ممانعت سے مستثنیٰ ہیں۔ نحو یوں کی اصطلاح میں اسے مستثنیٰ منہ ممنوع کہا جاتا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ خاص یعنی مسجد مانا جائے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ کسی مسجد کی طرف سفر نہیں کیا جاسکتا ہے سوائے تین مساجد کے۔ اس صورت میں مشاہد انبیاء اور مقابر اولیاء کے لئے سفر کیا جاسکتا ہے۔ یہ رائے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے اہل علم کی ہے۔

قومی مسلک :- لیکن دلائل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی روشنی میں پہلی رائے زیادہ قوی اور رائج ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر یہی ہے۔ اسی رائے کی تائید میں بہت سے اہل علم کی آراء پیش کی جاسکتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب کوہ طور کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور واپس آئے تو حضرت بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((من ابن اقبلت فقلت (ابوہريرة) من طور فقال لو ادرکک قبل ان تخرج اليه ما خرجت سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تعمل المطى الا الى ثلثة مساجد و قال الراوى و وافق ذالك ابوہريرة رضی اللہ عنہ)).  
(موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ : ص ۷۲ مع شرحہ للشیخ و لى اللہ الدہلوی مکتبہ سلفیہ مکہ مکرمہ)

کوہ طور کی زیارت :- جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کوہ طور سے واپس آئے تو حضرت بصرہ غفاری نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ”کوہ طور سے۔“ بصرہ غفاری نے فرمایا اگر کوہ طور پر جانے سے قبل میری آپ سے ملاقات ہو جاتی تو آپ کوہ طور کے لئے سفر نہ کرتے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ سفر کے لیے سوار یوں کا اہتمام صرف تین مساجد کی طرف ہو سکتا ہے۔  
حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک :- اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ بغرض تقرب و ثواب ممنوع ہے۔ اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل جاہلیت نے مقامات ایسے گھڑائے تھے جہاں وہ تعظیم و تکریم کی غرض سے جایا کرتے تھے، محض اپنی (خود ساختہ) رائے کی بناء پر۔ (المسوی مع الموطا: ص ۷۳)

حجۃ اللہ کی عبارت :- شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی شہرہ آفاق کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

”قلت کان اهل الجاهلية يقصدون مواضع مخطئة بزعهم يزورونها و يتركون وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى فسد النبي ﷺ الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله والحق عندی



ان القبر و محل عبادة ولى من اولياء و الطور كل ذلك سواء فى النهى

(ص ۱۵۳ ج ۱)

”میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت اپنے خیال کے مطابق لائق تعظیم مقامات کی زیارت کرتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ اس طرز عمل میں (دین) اور فساد (عقیدہ) کے جو جراثیم پائے جاتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے (اس فرمان کے ذریعے) اس فساد کا دروازہ بند کر دیا تاکہ جو مقامات شعائر دین میں سے نہیں ان کو شعائر نہ قرار دیا جائے نیز یہ کہ یہ طریق کار غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بنے پائے۔ میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر یا کسی دلی کی عبادت گاہ یا کوہ طور یہ سب مقامات ممانعت میں یکساں ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی رائے:۔ اسی سے ملتا جلتا مسلک شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اختیار کیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”المستثنى منه المحلوف فى هذا الحديث اما جنس قريب او جنس بعيد فعلى الاول تقلير الكلام لا تشد الرحال الى المساجد الا الى ثلاثة مساجد فحينئذ شد الرحال الى غير المساجد مسكوت عنه وعلى الوجه الثانى تشد الرحال الى موضع يتقرب به الا الى ثلاثة مساجد فحينئذ شد الرحال الى غير المساجد الثلاثة المعظمة منهى عنه بظاهر سياق الحديث و يؤيده ما رواه ابو هريرة عن بصرة الغفارى حين رجع عن الطور و تمامة فى الموطا و هذا الوجه قوى من جهة مدلول حديث بصرة۔“

(عون المعبود ص ۱۶۷ ج ۲۔ مرعاة المفاتيح شرح مشکوٰۃ المصابيح ص ۳۵۵ ج ۱)

”اس حدیث میں جو مستثنیٰ منہ محذوف ہے وہ یا تو جنس قریب سے ہوگا یا جنس بعید سے۔ پہلی صورت میں اصل عبارت اس طرح ہوگی ”لا تشد الرحال الى المساجد الا الى ثلاثة مساجد۔“ اس صورت میں غیر مساجد کی طرف شد رحال مسکوت عنہ ہوگا اور دوسری صورت میں اصل عبارت اس طرح ہوگی ”لا تشد

الرجال الى موضع يتقرب به الا الى ثلاثة مساجد۔“ اس صورت میں تین عظیم مساجد کے سوا سفر کرنا حدیث کے ظاہر سیاق سے منع ثابت ہوتا ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کوہ طور سے واپس آ کر حضرت بصرہ غفاری سے روایت کیا ہے اور یہ پوری حدیث موطا امام مالک میں ہے۔ حدیث کے بصرہ کے مدلول کے لحاظ سے یہ دوسری وجہ میرے نزدیک قوی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر :- امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(۱) ”ان الصحابة كآبي سعيد الخدري و عبدالله بن عمرو و بصرة و ابی هريرة رضی اللہ عنہم فہموا من الحديث شموله لغير المساجد و فہموا منه النہی۔“ (الرد علی الاختائی : ص ۳۷۶)

(۲) ”ان الصحابة في خلافة ابی بكر و عمرو عثمان و علی و من بعدهم الى انقراض عصرهم لم يسافر احد منهم الى قبر نبی ولا رجل صالح۔“

(غایۃ الامانی : ص ۱۱۹ ج ۱ بحوالہ الجواب الباہر)

(۳) ”سائر الصحابة مثل معاذ و ابی عبيدة و عبادة بن الصامت و ابی الدرداء رضی اللہ عنہم و غیرہم لم يعرف عن احد منهم انه مسافر لقبر من القبور۔“ (الصارم المنکی ص ۷۱۔ الرد علی الاختائی : ص ۲۳۱)

(۴) ”وقد اختلف اصحابنا و غیرہم هل يجوز السفر اليها علی قولین (۱) احدهما لا يجوز و هذا عند ابن بطه و ابن عقيل و غیرہما (۲) والثاني انه يجوز السفر اليها قاله طائفة من المتأخرين وما علمته

من احد من المتقدمين۔“ (اقتضاء الصراط المستقیم : ص ۱۵۸)

پہلے مسلک کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، جمہور مالکیہ، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور امام جوینی کے نزدیک اس حدیث کی رو سے مساجد ثلاثہ کے سوا کسی جگہ کے لئے تقریبی سفر ناجائز ہے۔ ملاحظہ ہو (الرد علی الاختائی : ص ۲۶۲)۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو

(حیات امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ابو زہرہ مع تعلیقات مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ تعالیٰ: ص ۵۰۳)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل :- مذکورہ بالا عربی عبارات کا خلاصہ یہ ہے۔  
(۱) صحابہ کرام مثلاً ابوسعید خدری، عبد اللہ بن عمر، بصرہ غفاری، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سب اس حدیث سے یہی سمجھتے ہیں کہ حکم عام ہے مساجد اور غیر مساجد سب کو شامل ہے۔ لہذا مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مقام کا سفر بغرض تقرب ممنوع ہے۔ (۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاروں خلفائے راشدین کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی کسی سے ثابت نہیں ہے کہ کسی نے کسی نبی یا ولی کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا ہو۔ (۳) صحابہ کرام مثلاً معاذ بن جبل، ابوعبیدہ عبادہ بن صامت، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اور باقی میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کسی قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا ہو۔ (۴) متاخرین میں سے ایک اہم تعداد کا ممانعت پر اصرار ہے۔ یہی مسلک علمائے حجاز و نجد کا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری: صیانة الانسان عن وسوسة الشیخ دحلان: ص ۸۸ تالیف لطیف مولانا مہر بشر السہوانی۔

ان مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ امام غزالی کا مسلک مرجوح ہے اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر رائج اور قوی ہے۔

### صبح سویرے سفر کرنا باعث برکت ہے

علی الصبح سفر کے لئے روانہ ہونا مستحب اور باعث برکت ہے۔ حضرت صخر الغامدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اللَّهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا)) (ابوداؤد: ج ۱ ص ۳۵۸، ترمذی: ج ۱ ص ۱۳۵)

”اے اللہ میری امت کے لئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرما۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَاكِرُوا الْعُدُوَّ فِي طَلَبِ الرِّزْقِ فَإِنَّ الْعُدُوَّ بَرَكَةٌ وَنَحَاحٌ))

(ترغیب: ج ۲ ص ۸۷۸)

”طلب معاش کے لئے صبح صبح کھلا کرو۔ کیونکہ صبح کے وقت برکت و کامیابی ہوتی ہے۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: میں صبح کے وقت سوئی ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا میرے پاس سے گزر ہوا۔ آپ نے اپنے پاؤں مبارک سے مجھے ہلایا اور کہا اے بیٹی! اپنے رب کے رزق تقسیم کرنے کے وقت اٹھ کر حاضر ہو جاؤ اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صبح صادق سے لے کر طلوع شمس تک لوگوں کے درمیان رزق تقسیم کرتے ہیں۔ (ترغیب: ج ۲، ص ۸۷۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نَوْمُ الصُّبْحَةِ يَمْنَعُ الرِّزْقَ)) (قَالَ شَارِحُ الْعَامِمِ الصَّغِيرِ «مَوْ حَدِيثُ

ضَعِيفٌ» (احمد، بیہقی، ترغیب: ج ۲، ص ۸۷۹)

”صبح کے وقت سونا رزق سے محرومی پیدا کرتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کبھی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔ چنانچہ حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ حضرت صحر ﷺ تاجر تھے۔ وہ اپنے تجارتی سامان کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے تو ان کی تجارت بڑھی اور مال میں اضافہ ہوا۔ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۳۳۹، سنن داری: ج ۲، ص ۱۳۲، جامع الاصول: ج ۶، ص ۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: سفر اور دعا کے لئے صبح کا وقت افضل

ہے۔ (احیاء العلوم للغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ)

الغرض آنحضرت ﷺ کا اپنا معمول بھی یہی تھا کہ علی الصبح سفر پر روانہ ہوتے اور اپنی امت کو بھی اس کا حکم فرمایا۔ کیونکہ خیر و برکت کا وقت ہوتا ہے، طبیعت ہشاش بشاش ہوتی ہے، کام وقت پر ختم ہو جاتا ہے۔

### سفر میں ساتھی بنانا

سفر پر روانہ ہوتے وقت اگر ممکن ہو تو کوئی نیک ساتھی تلاش کر لینا چاہئے کیونکہ

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بَلِيلٍ وَحْدَةً))

(بخاری ج ۱ ص ۴۲۱)

”اگر لوگوں کو وہ کچھ معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں کہ تمہا سفر کرنے میں کیا کیا

مصائب و نقصانات رونما ہوتے ہیں تو کوئی سوار رات کو تمہا سفر نہ کرے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اکیلا سونے اور سفر کرنے

سے منع فرمایا ہے۔ (الفتح الربانی ج ۵ ص ۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: خیبر سے ایک آدمی سفر پر نکلا تو دو آدمی

اس کے پیچھے لگ گئے اور ایک تیسرا شخص ان دونوں کے پیچھے چلا۔ وہ ان دونوں کو کہنے لگا

ظہر جاؤ یہاں تک کہ اس نے ان دونوں کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد پھر وہ اس پہلے

مسافر کو جلا اور کہنے لگا کہ تیرے پیچھے یہ دونوں آنے والے شیطان تھے۔ میں نے

انہیں واپس کر دیا ہے۔ جب تم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچو تو آپ کو سلام کہنا اور انہیں

خبر دینا کہ ہم یہاں زکوٰۃ جمع کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو مال زکوٰۃ کی ضرورت ہو تو ہم

آپ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ پھر جب اس شخص نے مدینہ واپس آ کر حضور ﷺ کو اس

واقعہ کی خبر دی تو اس وقت آپ ﷺ نے اکیلے سفر کرنے سے منع کر دیا۔

(الفتح الربانی ج ۵ ص ۶۴)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جب تمہارا رات کو سوار ہو کر سفر کرنا خطرات سے خالی

نہیں تو پیدل تمہارا رات کو سفر کرنا بطریق اولیٰ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ قتل و غارت اور لوٹ مار

کی اکثر وارداتیں رات کو ہی ہوتی ہیں۔ پہلی حدیث میں اگرچہ رات کی قید ہے مگر دن

میں بھی تمہا سفر کرنے سے (خصوصاً جب سفر طویل ہو) پرہیز کرنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آدمی کے متعلق جس نے اکیلے سفر کیا تھا مجھے

بتاؤ اگر وہ مرجاتا تو میں اس کی بابت کس سے سوال کرتا۔ (بلوغ الامانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں ساتھی بنانا ضروری

ہے۔ اکیلا سفر کرنے والا اگر مر جائے تو اس کے پاس کوئی آدمی نہیں ہوگا جو اس کی تجہیز و تکفین کر سکے۔ اور اپنے مال کی وصیت کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی آدمی نہیں ہوگا جو اس کے مال کو در ثام تک پہنچا دے اور اس کے متعلق ان کو آکھو کر سکے اور نہ ہی سواری پر سامان لادنے کے لئے اس کا کوئی معاون ہوگا۔ اگر کوئی ہمسفر ہوگا تو ایک دوسرے کا تعاون حاصل کر سکتے ہیں۔ کام کاج اور نگرانی بھی باری باری کر سکتے ہیں۔ نیز نماز باجماعت کا ثواب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمسفر کے متعلق حضور ﷺ کی خصوصی ہدایت:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے باپ عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے (کچھ عرصہ) بعد مجھے بلایا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس مال دے کر بھیجنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تاکہ وہ اہل مکہ میں تقسیم کر دے۔ آپ نے فرمایا اپنے سفر کے لئے کوئی ساتھی تلاش کرلو۔ چنانچہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سفر پر جانا چاہتے ہیں اور کسی رفیق سفر کے متلاشی ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ تو وہ فرمانے لگے میں آپ کا رفیق سفر ہوں۔ پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ حضرت مجھے سفر کا ساتھی مل گیا ہے۔ آپ نے مجھے کہہ رکھا تھا کہ جب تمہیں کوئی رفیق سفر مل جائے تو مجھے اطلاع دے دینا۔ حضور ﷺ نے پوچھا تمہارا رفیق سفر کون ہے؟ تو میں نے عرض کیا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا: جب تو اس کی قوم کے علاقے میں پہنچے تو اپنے ساتھی سے ڈر کر رہنا۔ کیونکہ مشہور مقولہ ہے ”ہمگری آپ کا بھائی ہے اس سے بے خوف نہ ہو“۔ پھر ہم سفر پر روانہ ہوئے یہاں تک کہ میں ”ابواء“ مقام پر پہنچا تو اس نے مجھے مقام ”ودان“ میں آ کر کہا کہ مجھے اپنی قوم سے ضروری کام ہے۔ لہذا آپ یہاں ٹھہر کر میرا انتظار کریں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب وہ چلا گیا تو مجھے حضور ﷺ کی نصیحت یاد آ گئی تو میں اونٹ پر سوار ہوا اور اس کو تیز چلاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ جب میں ”اصافر“ مقام پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ مل کر میرا راستہ

روکنے کی غرض سے آ رہا ہے، میں اونٹ پر سوار ہوا اور اس کو تیز چلاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کی دسترس سے باہر ہو گیا ہوں تو پھر وہ واپس چلے گئے اور وہ خود میرے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے اپنی قوم سے کوئی کام تھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر ہم چلتے رہے یہاں تک کہ ہم مکہ پہنچ گئے اور وہ مال میں نے ابوسفیان کے حوالے کر دیا۔ (فتح الربانی: ج ۵ ص ۶۵)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سفر میں اپنے ساتھی سے ہوشیار رہنا چاہئے، خصوصاً جب روپیہ پیسہ اور مال وغیرہ ساتھ ہو۔  
سفر میں رفقاء کی تعداد:

سفر میں ساتھی اگرچہ ایک ہی کافی ہے تاہم چار ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ سے روایت کرتے ہیں:  
(«خَيْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةٌ») (ترمذی: ج ۱ ص ۱۸۸، ابوداؤد: ج ۱ ص ۳۵۸)  
”بہترین ساتھی وہ ہیں جو چار ہوں۔“

ایک دوسری روایت میں یوں ہے:

(«الرَّايِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّايِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبَةٌ») (ابوداؤد: ج ۱ ص ۳۵۸، ترمذی: ج ۱ ص ۲۰۱، فتح الربانی: ج ۵ ص ۶۳، جامع الاصول: ج ۶ ص ۱۳)  
”ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہیں (کیونکہ اب وہ ان برائیوں سے محفوظ رہیں گے جن کا تمہا سفر کرنے میں احتمال ہو سکتا ہے)۔“

(«الشَّيْطَانُ يَهُمُّ بِالْوَاحِدِ وَبِالْاِثْنَيْنِ فَاِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً لَمْ يَهُمَّ بِهِمْ»)

(جامع الاصول: ج ۶ ص ۱۳)

”مسافر اگر ایک یا دو ہوں تو شیطان ان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر مسافر تین ہوں تو پھر شیطان ان پر حملہ نہیں کر سکتا۔“

تین آدمی قافلہ کہلانے کے مستحق ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کیونکہ اس

وقت ایک جماعت کی شکل ہو جاتی ہے اور جو فوائد فوت ہو رہے تھے ان کا اندیشہ کم ہو جاتا ہے اور شیطان کا غلبہ کم ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح آفات و نقصانات سے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔

سفر میں امیر مقرر کرنا:

جب کئی ایک ساتھی مل کر سفر کریں تو ان کو چاہئے کہ کسی ایک کو اپنا امیر بنالیں۔ آنحضرت ﷺ کی یہی ہدایت ہے۔ چنانچہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ)) (ابوداؤد: ج ۱ ص ۳۵۸)

”جب تین آدمی سفر کو نکلیں تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر بنالیں۔“

اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو امیر ہو گا وہ الگ الگ ہر کام ہر آدمی کے سپرد کر دے گا اور ہر آدمی اپنے کام کو فرض سمجھ کر وقت پر ادا کرے گا۔ ورنہ سفر میں بغیر تنظیم کے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کوئی بھی آدمی ذمہ داری سمجھ کر کوئی کام نہیں کرتا۔ نیز امیر بنانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب آپس میں کوئی اختلاف رائے ہو جائے تو امیر کے فیصلہ سے وہ اختلاف ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ امیر کے فیصلہ کو تسلیم کرنا ہر ایک کے لئے ضروری ہوتا ہے اگرچہ طبیعت اس کو نہ مانتی ہو۔

جمعرات کے روز سفر کرنا مستحب ہے:

سفر پر جانے کے لئے اگرچہ تمام ایام یکساں ہیں، جس دن میں بھی سفر کرنا چاہے کر سکتا ہے، جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، تاہم جمعرات کو سفر کرنا باقی دنوں کے مقابلہ میں مستحب ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ عموماً جمعرات کو ہی سفر کرنا پسند فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ تبوک کے سفر کے سلسلہ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

”إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْعِيمِيسَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيمِيسَ۔“ (صحیح بخاری: ج ۱ ص ۴۱۳)

”آپ غزوہ تبوک کو جمعرات کے روز تشریف لے گئے تھے اور اسی روز آپ سفر کرنا پسند کیا کرتے تھے۔“



ایک دوسری روایت میں یہی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:  
 ”تَقْلَمًا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْرُجُ إِذَا خَرَجَ فِي سَفَرٍ إِلَّا يَوْمَ  
 الْعَيْمَنِسِ۔“ (صحیح بخاری: ج ۱ ص ۴۱۴)  
 ”جب کبھی آپ ﷺ سفر پر نکلتے تو جمعرات کو سفر شروع کرتے۔ دوسرے دنوں  
 میں آپ ﷺ کا سفر کرنا بہت کم آیا ہے۔“

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:  
 ”بَابُ اسْتِخْبَابِ الْمُخْرُوجِ يَوْمَ الْعَيْمَنِسِ“ (ریاض الصالحین)  
 مولانا خلیل احمد میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:  
 ”وَهَذَا يُدَلُّ عَلَى أَنَّ أَكْثَرَ خُرُوجَاتِهِ ﷺ لِلْسَفَرِ كَانَ يَوْمَ الْعَيْمَنِسِ۔“  
 (بذل الجہود: ج ۲ ص ۲۳۳)

”یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کے اکثر سفر جمعرات ہی کو شروع ہوتے  
 تھے۔“

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَكَانَ يَسْتَحِبُّ الْمُخْرُوجُ يَوْمَ الْعَيْمَنِسِ۔“ (زاد المعاد: ج ۱ ص ۱۳۲)  
 ”حضور ﷺ جمعرات کے روز سفر کرنا پسند کیا کرتے تھے۔“

سنن سعید بن منصور میں واصل سے بھی ایک روایت ان الفاظ میں ہے:

”بَلَغَنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا سَافَرَ أَحَبَّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْعَيْمَنِسِ۔“

(صحیح البخاری: ج ۱ ص ۴۵۴)

”مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی سفر کرتے تو جمعرات کے روز  
 سفر کرنے کو پسند فرماتے۔“

**اس کی حکمت!**

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی دن تو خدا نے ہی بنائے ہیں اور وہ سب عند اللہ  
 یکساں قسم کے ہیں تو پھر جمعرات میں استحباب کی وجہ کیا ہے؟ علماء نے اس کے کئی ایک

جواب تحریر کئے ہیں۔ چنانچہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ جواب لکھا ہے کہ: شاید اس کی وجہ وہ ہو جو حدیث میں وارد ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

”بُورِ كُنْتَ لَا تُمْتَنِي فِي بُحُورِهَا يَوْمَ الْحَمِيمِ“ (فتح الباری: ج ۶، ص ۲۵۴)

”جمرات کے روز دن کے ابتدائی حصہ میں میری امت کو برکت دی گئی ہے۔“

علامہ تورنیشٹی نے اس کی حکمت میں مندرجہ ذیل وجوہ ذکر کی ہیں:

(۱) جمرات ایک ایسا مبارک دن ہے جس میں بندوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ آپ کے تمام اسفار بھی چونکہ اللہ ہی کی رضا کے لئے ہوتے تھے۔ بدیں وجہ آپ اس بات کو بہت پسند رکھتے تھے کہ اسی روز جہاد وغیرہ کے لئے جو افضل ترین عمل ہے سفر اختیار کیا جائے تاکہ اسی روز یہ بہترین عمل اللہ کے حضور پیش ہو جائے۔

(۲) عدد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جمرات تمام ہفتہ کے ایام میں سے اتم و اکمل دن ہے۔ بدیں وجہ آپ کے اکثر اسفار اسی دن میں ہوتے۔

(۳) عربی زبان میں لفظ خمیس جمرات کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور لشکر کو بھی خمیس کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی پانچ حصوں پر تقسیم ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اس دن میں ایک اچھی شگون سمجھ کر اس میں سفر کرتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ دشمن کی جس فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم جارہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہماری فوج کو فتح و کامرانی عطا فرمائے اور دشمن ذلیل و رسوا ہو کر شکست کھا جائے۔

### جمعہ کے روز سفر:

جمعہ کے روز اگر جمعہ کی نماز کا وقت نہ ہو سفر کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو کہہ رہا تھا اگر آج جمعہ نہ ہوتا تو میں کھل جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ کھل جاؤ اس لئے کہ جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔ (نیل الاوطار: ج ۳، ص ۲۲۸)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز سفر کیا اور نماز کا انتظار نہیں کیا۔ (نیل الاوطار)

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز دوپہر کے وقت سفر کرنا چاہا تو لوگوں نے اعتراض کیا۔ انہوں نے فرمایا نبی ﷺ نے جمعہ کے روز سفر کیا ہے۔ (نیل الاوطار)

## سفر سے پہلے استخارہ کرنا

عہد جاہلیت میں عرب جب سفر یا کسی کام کا قصد کرتے تو وہ تیروں (جن پر ”کر“ یا ”نہ کر“ تحریر ہوتا تھا) سے قسمت آزمائی کرتے، پرندے اڑاتے، فال اور ٹھکون پکڑتے۔

اسی طرح کی دوسری رسومات و عادات جو مشرکین کا شعار اور کافروں کا روایتی امتیاز تھیں۔ ان کا فرانہ رسومات اور مشرکانہ امور کی بجائے آنحضور ﷺ نے توکل و توحید، عبودیت و بندگی اور اللہ تعالیٰ سے رشد و فلاح کا دست سوال دراز کرنے کی رہنمائی کی، جس کے دست قدرت میں ہر قسم کی فلاح ہے۔

نیز بندوں کا علم ناقص ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے صلوٰۃ الاستخارہ تعلیم فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ جب کوئی خاص اور اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا کر لیا کرو۔ سفر کے وقت انسان کو چونکہ علم نہیں ہوتا کہ یہ سفر میرے لئے مفید ہے یا نہیں، اس لئے بذریعہ استخارہ اللہ تعالیٰ سے سفر کی خیریت طلب کر کے چلنا چاہئے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ اسْتِخَارَتُهُ اللَّهَ وَمِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَاهُ وَمِنْ شَقْوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللَّهِ وَمِنْ شَقْوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ» (الفتح الربانی: ج ۵ ص ۵۱)

”انسان کی سعادت مندی اور خوش نصیبی حق تعالیٰ سے استخارہ کرنے اور اس کے قضاء و قدر پر رضا مندی میں ہے۔ شقاوت و بد نصیبی استخارہ نہ کرنے میں ہے اور قضا و قدر پر اظہار ناپسندیدگی ہے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی

تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس کے انجام کے بارے میں فکرمند ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہئے۔ پہلے دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد اللہ کے حضور میں اس طرح دعائے استخارہ کرے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمْرِي (أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ) فَاقْضُ لَهُ لِي مِنْهُ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمْرِي (أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ) فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْضُ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ»

(بخاری: ج ۶ ص ۹۴۴)

”اے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی راہنمائی چاہتا ہوں اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں، کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں۔ اور تو عظیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل نادانف ہوں اور تو سارے فیوض سے بھی باخبر ہے۔ پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کر دے اور آسان بھی فرما دے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے اور اس کا نتیجہ برا نکلتے والا ہے میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر اور بھلائی کو مقدر فرما دے وہ جہاں اور جس کام میں ہو۔ پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے۔“

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کام کے بارے میں استخارے کی ضرورت ہو تو استخارہ کرنے کی دعا کرتے ہوئے صراحتاً اس کا نام لے۔

جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے۔

استخارہ کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے اپنے عظیم کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالہ کر دیتا ہے کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کر دے۔ اس طرح گویا وہ اپنے مقصود کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے۔ اور جب اس کی یہ دعا قبول سے ہو جیسے کہ ہونی چاہئے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔

حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی، لیکن اللہ کے بندوں کا تجربہ یہ ہے کہ یہ رہنمائی بسا اوقات خواب وغیرہ میں کسی غیبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ اور اگر استخارہ کے بعد تذبذب کی کیفیت باقی رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے اور جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔

جب سفر کا عزم پختہ ہو جائے:

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب الاذکار“ میں لکھا ہے کہ جب مشورہ و استخارہ کے بعد سفر کرنے کا ارادہ پختہ ہو جائے تو او لا چند امور پر عمل کرے:

(۱) وصیت: اگر کوئی ایسی شے موجود ہو جس کے لئے وصیت کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے لئے وصیت کرے اور اس پر گواہ بنالے۔

(۲) معاملات کا تصفیہ: اگر اس کا کسی سے معاملہ ہے تو اس سے معاف کرائے۔

(۳) حسن سلوک: اپنے والدین اساتذہ اور جن لوگوں سے حسن مذاک و غیرہ

اس کے ذمہ ہے انہیں راضی کر لے۔

(۴) گناہوں کی معافی: اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور تمام گناہوں اور مصیبتوں

سے استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس سفر میں امداد کا طالب ہو۔

(۵) ضروری معلومات: ان باتوں کا علم حاصل کرے جن کا وہ سفر میں محتاج ہے۔

(۶) علیک سلیک: اپنے مقامی دوستوں، عزیزوں اور اقرباء سے علیک سلیک

کے بعد رخصت ہونا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ((إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ سَفَرًا فَلْيَسَلِّمْ عَلَى إِخْوَانِهِ فَإِنَّهُمْ يَزِيلُونَ بِدُعَائِهِمْ إِلَى دُعَائِهِ خَيْرًا))

(الطالب العالیہ: ج ۳ ص ۲۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَرَادَ سَفَرًا فَلْيُودِّعْ إِخْوَانَهُ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَاعِلٌ فِي دُعَائِهِمْ

خَيْرًا)) (بلوغ الامانی من اسرار اللہ الربانی: ج ۵ ص ۶۱)

”جو شخص سفر کا قصد کرے اسے اپنے بھائیوں، دوستوں وغیرہ کو الوداع کہنا چاہئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کی وجہ سے خیر و برکت عطا کرتا ہے۔“

### مسافر کو نصیحت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! سفر کا ارادہ رکھتا ہوں آپ مجھے کوئی توشہ عطا

فرمائیں؟ تو آپ نے فرمایا:

((زَوَّدَكَ اللَّهُ التَّقْوَىٰ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ))

(مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۲۱۴)

”خداوند عالم تجھ کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور تیرے گناہ بخش دے اور تو جہاں

جائے وہاں تیری نیکی تیرے ساتھ ہو۔“

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے:

((عَنْ أَبِي مُرَّةٍ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنْ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي أُرِيدُ أَنْ

أَسَافِرَ فَأَوْصِنِي قَالَ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالتَّكْوِينِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ))

(الفتح الربانی: ج ۶ ص ۵۹)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! میرا سفر پر جانے کا ارادہ ہے میرے مناسب حال کچھ نصیحت فرمائیں؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کا خوف اور ہر اونچی جگہ پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہنے کو اپنے اوپر لازم کر لو۔“

دوستوں کی طرف سے الوداعی کلمات:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو الوداع کہتے تو اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتے پھر اسے نہ چھوڑتے یہاں تک کہ وہی اپنے ہاتھ کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے ہٹا لیتا۔ پھر آپ یہ کلمات پڑھتے:

((أَسْتَوِدُّعُ اللَّهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَآخِرَ عَمَلِكَ))

(کتاب الاذکار للحوی: ص ۱۹۶)

”میں تیرا دین و اسلام اور تیرا انجام خدا کو سونپتا ہوں۔“

### مسافر کی طرف سے الوداعی کلمات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سفر کا ارادہ کرے اسے پیچھے والوں کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے:

((أَسْتَوِدُّعُكُمْ اللَّهُ الَّذِي لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهُ)) (بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۶۱)

”میں تمہیں اس کے سپرد کرتا ہوں جس کی امانتیں ضائع نہیں ہوتیں۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِذَا اسْتَوْدِعَ شَيْئًا حَفِظَهُ))

(کتاب الاذکار للحوی: ص ۱۹۶، مسند احمد ج ۱ ص ۶۵۰)

”جب کوئی شے اللہ کے سپرد کی جاتی ہے تو وہ اس شے کی حفاظت فرماتا ہے۔“

جو شخص بوقت رخصت مذکورہ دعا پڑھے گا انشاء اللہ اس کی تمام چیزیں محفوظ رہیں گی۔ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ تقسیم کرتے مع اپنے بیٹے کے

حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ حیرا بیٹا تیرے بہت مشابہ ہے۔ اس نے عرض کی کہ اس کا قصہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ یہ جب بطن میں تھا تو میں سفر کو گیا اور یہ دعا دے گیا کہ جو کچھ تیرے پیٹ میں ہے اس کو خدا کے سپرد کیا۔ چنانچہ جب واپس ہوا تو ایک رات کو باتیں کر رہا تھا کہ اچانک دور سے آگ کا ایک شعلہ بھڑکتا ہوا نظر آیا، میں نے وہاں جا کر دیکھا تو وہ میری اہلیہ کی قبر ہے، جس پر شمع روشن ہے اور یہ بچہ وہاں کھیل رہا تھا۔ میرے کان میں آواز آئی کہ اس کو تو ہمارے سپرد کیا گیا تھا، لہذا اپنی امانت لے جا اور اگر اس کی ماں کو بھی سپرد کر جاتا تو وہ بھی بخفاغت تم تک پہنچا دی جاتی۔ (احیاء علوم الدین المنقرانی) مسافر کے لئے دعا کرنا:

جب مسافر رخصت ہو کر چلا جائے تو اس کے حق میں یہ دعا کرنی چاہئے:

((اللَّهُمَّ اطْوِلْهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ)) (مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۳۱۵)

”اے اللہ! اس کے سفر کی دوری کو لپیٹ دے اور اس پر سفر آسان کر دے۔“

سفر شروع کرنے سے پہلے دو رکعت نماز:

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سفر کے ارادہ سے جب آدمی گھر سے نکلے تو دو رکعت نماز پڑھ کر نکلتا مستحب ہے۔ کیونکہ مقلم بن مقدام رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے گھروالوں کے پاس اس سے بہتر کوئی شے چھوڑ کر نہیں جاتا کہ ان کے پاس دو رکعت نماز پڑھے۔

(کتاب الاذکار للحووی: ص ۱۹۴، الوائل العیوب: ص ۲۲۵)

سفر پر روانگی کے وقت کی دعا:

امیر لشکر یا کوئی بھی مسافر سفر پر روانہ ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

((اللَّهُمَّ بِكَ أَصُولُ وَبِكَ أَعْوَالُ وَبِكَ آمِنِينَ)) (بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۵)

”اللہ میں تیری ہی مدد سے حملہ کروں گا اور تیری ہی مدد سے تدبیر کروں گا اور تیری ہی مدد سے سفر کروں گا۔“



## سفر کے لئے اٹھنے کی دعا:

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب سفر کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اللَّهُمَّ بِكَ انْتَشَرْتُ وَبِكَ تَوَجَّهْتُ وَبِكَ اغْتَصِمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ  
اللَّهُمَّ أَنْتَ يَقْنِي وَأَنْتَ رَحْمَتِي اللَّهُمَّ اكْخِفْنِي مَا أَهَمَّنِي وَمَا لَا أَهَمُّ لِي وَمَا  
أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ اللَّهُمَّ زَوِّدْنِي التَّقْوَى  
وَاعْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَوَجِّهْنِي لِلْخَيْرِ أَكْثَمًا تَوَجَّهْتُ)) (دادالعاذ: ج ۲ ص ۳۲)

”اے اللہ! میں تیری مدد سے اٹھا ہوں اور تیری ہی طرف توجہ کرتا ہوں اور تجھ ہی سے قوت حاصل کرتا ہوں اور تجھ ہی پر توکل کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو ہی میرا اعتماد ہے اور تو ہی میری امید ہے۔ اے اللہ! تو کفیل ہو جا اس کام کے لئے جس کی میں کوشش کرتا ہوں اور اس کے لئے جس کا میں اہتمام نہیں کرتا اور اس کے لئے بھی جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تیری پناہ میں آنے والا تو ہی ہو جاتا ہے اور تیری تعریف بڑی ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ! مجھے توشہ تقویٰ عطا کر فرما اور جس طرح متوجہ ہوں میرا رخ خیر اور بھلائی کی طرف پھیر دے۔“

## سفر پر روانہ ہوتے وقت کی دعائیں

دیس سے پردیس جانے والے کے لئے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے کیا کیا مانگنا چاہئے نیز یہ کہ ہر سفر کے موقع پر یقینی پیش آنے والے آخرت کے سب سے اہم سفر کو بھی یاد رکھنا چاہئے اور اس کی تیاری سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

## گھر سے نکلنے کی دعا:

مسافر جب گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنے گھر سے نکلے خواہ سفر کرنے کے ارادے سے یا دیگر کسی ضرورت کے لئے تو اگر وہ رواگگی کے وقت مندرجہ ذیل دعا

پڑھے تو اس کو گھر سے نکلنے کی خیر ضرور حاصل ہوگی اور اس کے شر سے محفوظ رہے گا:

(۱) «اَمَنْتُ بِاللّٰهِ اَعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» (بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۴)

”میں اللہ پر ایمان لایا، اللہ پر میرا توکل ہے۔ گناہ سے پھرنے اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے مگر اللہ کے ساتھ۔“

(۲) «بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ - اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُضِلَّ اَوْ اُضِلَّ اَوْ اَظْلَمَ اَوْ اُظْلِمَ اَوْ اُجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَیَّ»

(مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۲۱۵)

”میں اللہ کے نام پر سفر شروع کرتا ہوں اور اللہ پر توکل کرتا ہوں اور کسی کام کی قوت نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اے میرے رب! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں دوسروں کو گمراہ کروں یا خود گمراہ ہو جاؤں اور اس سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے اور اس سے کہ میں کسی سے بدظنی کروں یا کوئی مجھ سے بدظنی کرے۔“

(۳) «اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصّٰحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْعَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الضُّلَّةِ فِی السَّفَرِ وَالْكَآثِبَةِ فِی الْمُنْقَلَبِ اَللّٰهُمَّ اَطْلُبْ لَنَا الْاَرْضَ وَهَوْنًا عَلَیْنَا السَّفَرَ» (بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۵)

”اے اللہ! تو ہی سفر میں رفیق اور گمراہوں میں نایب ہے۔ اے اللہ! تیری پناہ چاہتا ہوں ہال بچوں کی تکلیف اور بری واپسی سے۔ اے اللہ! ہمارے لئے زمین لپیٹ اور ہم پر یہ سفر آسان کر دے۔“

سواری پر بیٹھنے سے پہلے ذکر الہی کی تاکید:

محمد بن حمزہ اسلمی اپنے باپ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ہر اونٹ کی کوہان پر شیطان ہوتا ہے، سوار ہوتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو۔

((وَلَا تَقْصُرُوا عَنْ حَاجَاتِكُمْ)) (بلوغ الامانی: ج ۵، ص ۶۹)

”اپنے کام میں کوتاہی نہ کرو۔“

حضرت ابولاس خزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک کمزور سا اونٹ ہمیں عطا فرمایا کہ ہم سوار ہو کر حج کو جائیں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو نہایت ضعیف و زار ہے، ہمارا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ آپ نے فرمایا: ہر اونٹ کی کوہان پر شیطان ہوتا ہے۔ تم اس پر سوار ہو جاؤ جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لئے خادم بنا لو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے۔ (بلوغ الامانی: ج ۵، ص ۷۰)

سواری پر بیٹھنے کی دعا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو آپ تین دفعہ ”اللہ اکبر“ کہتے، اس کے بعد یہ دعا پڑھتے:

((سُبْحَانَ الَّذِي سَعَرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنْ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرِنَا هَذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ))

(بلوغ الامانی: ج ۵، ص ۶۹، مکتوۃ: ج ۱، ص ۲۱۳، شرح السنۃ: ج ۵، ص ۱۴۰)

”پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کے لئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا۔ اور خود ہم میں طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر و طاقت سے اس طرح قابو پا لیتے بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے ایسا کر دیا ہے اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے نیکو کاری اور پرہیز گاری کی اور ان اعمال کی جو تیری رضا کا باعث

ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت و رحمت سے مختصر کر دے۔ اے اللہ! بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل و عیال اور مال و جائیداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ تجھ پر ہی ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنجیدہ بات دیکھوں اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر اہل و عیال یا مال و جائیداد میں بری بات پاؤں۔“

اس دعا کا ایک ایک جز اپنے اندر معنویت رکھتا ہے۔ پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی و برتری کا جو احساس یا دوسوہ پیدا ہو سکتا تھا اس طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بڑائی کا جو خیال آ سکتا تھا رسول اللہ ﷺ تین دفعہ اللہ اکبر کہہ کر اس پر تین ضربیں لگاتے تھے اور خود اپنے کو اور دوسروں کو جتاتے تھے کہ عظمت و کبریائی بس اللہ کے لئے ہے۔

اس کے بعد کہتے تھے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ﴾

پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے سواری کو مسخر کیا ورنہ ہم میں طاقت نہ تھی کہ (ایسا کر سکتے)۔ اس میں اس بات کا اعتراف و اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کام ہے۔ ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔

﴿وَأَنَا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾

یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں اس طرح ایک دن اس دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصلی مقصود و مطلوب ہے وہی سفر حقیقی سفر ہوگا

اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ یہ دعا کرتے:

اے اللہ! اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی توفیق عطا فرما جن سے تو راضی ہو۔ بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے۔ اس پر ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد آپ سفر میں سہولت اور سفر جلدی پورا ہو جانے کی دعا کرتے۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حضور میں عرض کرتے:

((اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ))

”اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق و ساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت و مدد پر میرا اعتماد ہے اور گھریار اور اہل و عیال جن کو چھوڑ کر جا رہا ہوں ان کا نگہبان اور نگران تو ہی ہے اور تیری نگہبانی پر بھروسہ ہے۔“

ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ سفر کی مشقت سے یا دوران سفر میں یا واپسی میں کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے، جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں تیری رحمت، عافیت و سہولت نصیب رہے اور واپس آ کر بھی خیر و عافیت دیکھوں۔ ایک حدیث میں اس طرح بھی آیا ہے کہ جب آدمی سوار ہو تو (شہادت) کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھائے اور یہ دعا پڑھے:

((اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ اللَّهُمَّ أَصْبَحْنَا بِنُصْحِكَ وَأَقْلَيْنَا بِبَلْعَةِ اللَّهِمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ)) (حصن حصین، ص: ۱۲۵)

”اے اللہ! تو ہی سفر میں ہمارا رفیق ہے اور تو ہی گھریار میں ہمارا قائم مقام ہے۔ اے اللہ! تو اپنی بھلائی کو اس سفر میں ہمارے ساتھ رکھو اور اپنی حفاظت میں ہمیں واپس لا۔ اے اللہ! تو ہمارے لئے زمین کو طے کر دے اور سفر کو ہم پر آسان کر دے۔ اے اللہ! میں سفر کی سختیوں سے اور تکلیف دہ ناکام واپسی سے پناہ مانگتا ہوں۔“

## مسافر کے لئے ایک مجرب نسخہ:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے جبیر! کیا تم چاہتے ہو کہ جب تم سفر میں جاؤ تو اپنے ساتھیوں سے ہیئت و صورت میں بہتر اور توشہ سفر (خور و نوش) میں بڑھ کر رہو یعنی سفر میں خوش حالی و فارغ البالی نصیب ہو؟ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو یہ پانچ سورتیں پڑھ لیا کرو۔

(۱) ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾

(۲) ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾

(۳) ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾

(۴) ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾

(۵) ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾

ہر سورت ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ سے شروع کریں اور اسی پر ختم کریں۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں کافی مالدار اور دولت مند تھا مگر جب میں سفر میں جاتا تو زیادہ بد حال اور توشہ سفر میں کمتر تنگدست ہو جایا کرتا تھا یعنی سفر مجھے راس نہ آتا تھا۔ جب سے مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ سورتیں پڑھنے کے لئے بتائیں اور میں نے ان کو پڑھنا شروع کیا تو میں پورے سفر میں اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ خوشحال اور توشہ سفر میں فارغ البالی رہنے لگا۔ (حسن حصین: ص ۱۲۹)

## دوران سفر پڑھنے کی دعائیں

اثنائے سفر حسب ذیل تعوذ پڑھتے رہنا چاہئے:

(۱) ﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَغَائِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْحَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُومِ وَسُوءِ الْمُنْظَرِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ﴾

(مکھوۃ: ج ۱ ص ۲۱۳، شرح النسخ: ج ۵ ص ۱۳۶، بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۶)

”اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں سفر کی سختیوں سے اور سفر سے واپسی کی ناکامی کی اذیت سے اور ترقی کے بعد تزل سے اور مظلوم کی بددعا سے اور واپسی پر اہل وعیال میں کسی تکلیف دہ منظر سے۔“

(۲) ((اللَّهُمَّ بَلَاغًا يُلْغِ خَيْرًا وَمَغْفِرَةً مِّنْكَ وَرِضْوَانًا بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اللَّهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا السَّفَرَ وَاطْوِلْنَا الْأَرْضَ۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعَثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ)) (حسن حصین: ص ۱۲۶)

”اے اللہ! میں تجھ سے ایسی کامیابی چاہتا ہوں جو خیر و خوبی کو پہنچا دے یعنی اس کام کا انجام خیر ہو اور تیری خاص مغفرت چاہتا ہوں۔ تیرے ہی ہاتھ میں تمام تر خیر و برکت ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! تو ہی سفر میں ہمارا رفیق ہے اور تو ہی گھریار میں ہمارا قائم مقام اور محافظ ہے۔ اے اللہ! تو اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور زمین کی مسافت کو ہمارے لئے طے کر دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں سفر کی سختی سے اور سفر سے واپسی کی اذیت سے۔“

(۳) ((اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ اللَّهُمَّ اصْحَبْنَا فِي سَفَرِنَا وَاخْلُقْنَا فِي أَهْلِنَا)) (حسن حصین: ص ۱۲۶)

”اے اللہ! تو ہی سفر کا ساتھی ہے اور تو ہی اہل وعیال میں ہمارا قائم مقام ہے۔ اے اللہ! تو ہمارے سفر میں ہمارا رفیق بن جا اور ہمارے اہل وعیال میں ہمارا قائم مقام اور محافظ بن جا۔“

بلندی پر چڑھنے کی دعا:

(۱) دوران سفر جب مسافر کسی بلندی (پہاڑی وغیرہ) پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے اور جب اس سے اترے تو سبحان اللہ کہے۔ اور جب کسی کھلے میدان میں پہنچے تو لا ایلہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تو بلندی پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہتے اور نیچے

اترے وقت سُبحانَ اللہ کہتے۔ (بلوغ الامانی: ج ۷ ص ۵۷)

(۲) ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ جب کسی بلند مقام پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

((اللَّهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلَى كُلِّ حَالٍ))

(بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۸ زاد المعاد: ج ۲ ص ۳۳)

”اے اللہ! تیرے ہی لئے شرف و برتری ہے ہر بلند سے بلند تر چیز پر اور تیرے ہی

لئے حمد و ثناء ہے۔“

اگر سواری پھسل جائے:

اگر سواری کے جانور کو ٹھوکر لگے تو فوراً بِسْمِ اللہ کہنا چاہئے۔ ابو تمیمہؓ جیسی صحابہؓ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ گدھا چلتے چلتے پھسل گیا۔ میں نے کہا شیطان کا برا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا ایسا نہ کہو۔ کیونکہ جب تو اس طرح کہتا ہے کہ شیطان کا برا ہو تو شیطان اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی طاقت و قوت سے اسے گرایا ہے۔ اور اگر تو ایسے موقع پر بِسْمِ اللہ پڑھ لیا کرے تو شیطان کبھی سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ (بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۶۷)

دوران سفر کسی مقام پر آرام کے لئے اترنے کی دعا:

مسافر جب کسی مقام میں آرام کے لئے قیام کرے تو یہ دعا پڑھے:

((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ))

(بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۷ شرح السنہ: ج ۵ ص ۱۳۵)

”میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔“

حدیث میں وارد ہے کہ: جو شخص اثنائے سفر کسی منزل پر اترنے کے بعد مذکورہ دعا

پڑھے تو جب تک وہ اس منزل سے روانہ نہ ہو جائے اس کو وہاں کی کوئی چیز ضرر نہ پہنچا سکے گی۔

آبادی کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا:

جب دور سے اپنی آبادی کو دیکھے جس میں جانے کا ارادہ ہے تو یہ دعا پڑھے:



((اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَّاحِ وَمَا ذَرَيْنَ فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا)). (حصن حصین: ص ۱۲۷)

”اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور اس تمام مخلوق کے پروردگار جس پر یہ سایہ لگن ہیں اور ساتوں زمینوں کے اور اس تمام مخلوق کے پروردگار جس کو یہ اٹھائے ہوئے ہیں اور تمام شیاطین کے اور اس تمام مخلوق کے رب جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے اور تمام ہواؤں کے اور ان چیزوں کے جن کو ہواؤں نے پراگندہ کر دیا ہے۔ پس ہم تجھ سے ہی اس بستی کی اور اس بستی والوں کی خیر و برکت کی دعا مانگتے ہیں اور تجھ سے ہی اس بستی کی اور اس بستی والوں کے اور جو کچھ بھی اس بستی میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔“

ایک روایت میں اس دعا کے ساتھ کلمات ذیل کا بھی اضافہ ہے:

((أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا))

(حصن حصین: ص ۱۲۸)

”میں تجھ سے اس بستی کی اور جو اس میں ہے اس کی خیر و برکت کا سوال کرتا ہوں اور اس بستی کے اور جو اس میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔“

آبادی میں داخل ہونے کی دعا:

جب اس بستی میں داخل ہونے لگے تو تین مرتبہ کہے: ”اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهَا“ اے اللہ! ہمارے لئے اس بستی کو بابرکت کر دے۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

((اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِيبَنَا إِلَى أَهْلِهَا وَحَبِيبَ صَالِحِ أَهْلِهَا إِلَيْنَا)) (قَالَ الْهَيْثَمِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَيْثُ) (بلوغ الامانی: ج ۵، ص ۸۷، حصن حصین: ص ۱۲۸)

”اے اللہ! تو ہم کو اس بستی کے ثمرات اور اس کا منافع عطا فرما اور اس بستی والوں کو ہماری محبت دے اور اس کے نیکو کار باشندوں کی محبت ہم کو نصیب فرما۔“

کسی نئی بستی میں جانے کے لئے سب سے اہم یہی تین باتیں ہو سکتی ہیں۔ سجان اللہ! کتنی مختصر بر محل اور جامع دعا ہے۔

حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ جب مسافر اس بستی میں داخل ہو تو حسب منجائش اچھا لباس زیب تن کرے۔ (مسند احمد)

اچھے لباس سے بستی والوں کے دل میں اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ اچھے لباس والے کو لوگ عموماً قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔  
شام کے وقت کی دعا:

اگر اثنائے سفر کسی جگہ شام ہو جائے اور رات کو وہاں ٹھہرنا پڑے تو زمین کو خطاب کر کے یہ دعا پڑھے:

((يَا اَرْضُ ارْنِي وَرَثَتَكَ اللَّهُ اَعُوْذُ بِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكَ وَشَرِّ مَا فِيْكَ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكَ، وَشَرِّ مَا ذَبَّ عَلَيْكَ، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كُلِّ اَسَدٍ وَّ اَمْنَوَدَ وَحَيَّةٍ وَّ عَقْرَبٍ وَمِنْ شَرِّ مَسَاكِينِ الْبَلَدِ وَمِنْ شَرِّ وَاٰلِدٍ وَمَا وَلَدَ))

(بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۶، ابوداؤد)

”اے سر زمین! میرا بھی اور تیرا بھی رب اللہ ہے میں اس اللہ کی پناہ لیتا ہوں تیرے شر سے اور جو کچھ تیرے اندر پیدا کیا گیا ہے اس کے شر سے اور جو جانور تیرے اوپر چلتے ہیں ان کے شر سے۔ اور میں پناہ لیتا ہوں اللہ کی جنگل کے شیر سے اور کالے ناگ سے اور ہر سانپ بچھو سے اور شہر کے ہر باشندے کے شر سے اور ہر باپ اور بیٹے کے شر سے۔“

صبح کے وقت کی دعا:

مسافر صبح کے وقت تین مرتبہ بلند آواز سے یہ دعا پڑھے:

((سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَنِعْمَتِهِ وَحُسْنِ بَلَايَةِ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبِنَا وَافْضَلِ عَلَيْنَا عَائِدًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ)) (زاد المعاد: ج ۲ ص ۳۳)

”من لیا ہر سننے والے نے (یعنی سب گواہ ہیں) اللہ کی حمد و ثناء کو اور اس کے فضل

وانعام کو اور ہم پر اس کے احسان کی خوبی کو۔ اے پروردگار! تو پورے سفر میں ہمارا رفیق رہنا اور ہم پر فضل و انعام فرمانا، دوزخ کی آگ سے اللہ کی پناہ لیتے ہوئے یہ کہہ رہا ہوں۔“

بحری سفر کی دعا:

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ بحری سفر میں میری امت کے لئے ڈوبنے سے بچاؤ کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ سوار ہوتے وقت مندرجہ ذیل آیات پڑھ لیا کریں:

﴿بِسْمِ اللَّهِ الْمَلِكِ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمُوتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ. بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَهَا وَمُرْسَهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

(ابن کثیر: ج ۳ ص ۵۵۳۔ مجمع الزوائد: ج ۱۰ ص ۱۳۲)

”اللہ کے نام سے جو حقیقی بادشاہ ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی۔ میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔“

سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ نے خشکی کی ہر طرح کی سواری اور کشتی کا ذکر فرما کر سواری کے وقت ﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾ کے پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

علمائے سلف میں سے بعض کا قول ہے کہ خشکی اور کشتی کی سواری کے وقت سورہ زخرف کی یہ آیت پڑھنی چاہئے اور سورہ زخرف کی آیات سے اس قول کی تائید بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان آیات میں دونوں قسم کی سوار یوں کا ذکر ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ بحری سفر کا موقع آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش نہیں آیا۔ اس لئے اس بارے میں آپ سے

کوئی عملی روایت مروی نہیں ہے۔

کشتی کی سواری کے وقت سورہ ہود کی آیت اور خشکی کی سواری کے وقت سورہ زخرف کی آیت پڑھی جائے۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ کشتی کی سواری کے وقت دونوں آیات پڑھ لی جائیں تاکہ سورہ زخرف کی آیات اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دلی روایت پر ایک ساتھ عمل ہو جائے۔ (احسن التفسیر: ج ۳ ص ۱۰۰)

دوران سفر کثرت ذکر:

مسافر کو چاہئے کہ سفر میں تنہائی کے وقت اللہ کی طرف دھیان لگائے رکھے اور زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ میں مصروف رہے۔ جو ذکر اللہ میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہم سفر مقرر فرمادیتے ہیں جو اسے نیکی کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ اور جو مسافر دوران سفر شعر و شاعری، راگ گانے وغیرہ لغویات یا بیہودہ باتوں، افسانوں اور فحش لٹریچر کے پڑھنے میں اپنے سفر کے اوقات کو مصروف رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ایک شیطان لگا دیتے ہیں جو انہیں گمراہ کرتا رہتا ہے۔ (طبرانی فی الاوسط)

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نرمی کرتا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے نرمی سے خوش ہوتا ہے اور نرمی پر مدد کرتا ہے جو سختی پر نہیں کرتا۔ جب تم ان بے زبان جانوروں پر چڑھو تو انہیں ان کی منزلوں پر اتارو۔ اگر زمین صاف ہو جہاں گھاس نہ ہو تو جلدی سے نکال کر لے جاؤ جب تک اس میں گودا رہے اور رات کو چلنا لازم کر لو کیونکہ رات کو چلنے میں مسافت زیادہ طے ہوتی ہے۔ جب رات میں ٹھہرو تو راستے میں نہ ٹھہرو کیونکہ وہاں دن کی نسبت زیادہ جانور آتے جاتے رہتے ہیں اور سانپ بھی آیا کرتے ہیں۔

(موطا امام مالک رحمہ اللہ علیہ: ص ۳۸۵)

سواری پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لاداجائے:

اگر سواری کسی جانور پر ہے تو اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ رکھنا جائز نہیں۔

(احیاء علوم الدین)

سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ جب جانور کرایہ پر لیتے تو مالک سے یہ طے کر لیتے کہ ہم جانور پر راستہ میں اتریں گے نہیں لیکن بعد میں بنظر صدقہ اتر جاتے تھے۔ جس جانور کو بلا وجہ مارو گے یا پریشان کرو گے تو وہ قیامت کے دن دامنگیر ہوگا۔ (احیاء علوم الدین)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اونٹ پر سوار ہوئے تو کسی نے ایک خط ان کو کہیں دینے کے لئے دیا۔ آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ فرمانے لگے کہ میرے معاہدے میں یہ خط شامل نہیں۔ آپ نے فقہاء کے کہنے کے مطابق اس کاغذ کے وزن کو بھی وزن سمجھا۔ سبحان اللہ! سلف میں تقویٰ، پرہیزگاری اور خشیت الہی کا یہ عالم تھا۔ (احیاء علوم الدین)

## اہل و عیال کے ساتھ سفر اور اس کے آداب

قرعہ اندازی:

اگر آدمی کی متعدد بیویاں ہوں اور سفر میں کسی کو ساتھ لے جانا چاہے تو اس کا انتخاب قرعہ ڈال کر کرے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ:

”إِذَا خَرَجَ اقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ“ (بلوغ الامانی: ج ۵، ص ۷۸)

”جب کسی سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کر لیا کرتے تھے، پھر جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسی کو ساتھ لے جاتے۔“

قرعہ تین جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے (یعنی حضرت محمد، حضرت یونس اور حضرت زکریا علیہم السلام) اور اس کے کئی ایک طریق ہیں: (۱) دونوں عورتوں کی انگوٹھیاں لے لی جائیں اور کوئی دوسرا شخص دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرے۔ جس عورت کی انگوٹھی منتخب ہو جائے وہی اپنے خاوند کے ساتھ سفر پر جائے گی۔ (۲) کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر ان پر امیدواروں کے نام لکھے جائیں۔ پھر ان کو خلط ملط کر کے کسی دوسرے شخص کو ان ٹکڑوں میں سے ایک اٹھانے کے لئے کہا جائے گا۔ جس کے نام کا پرچہ ہوگا وہی سفر کے لئے منتخب ہو جائے گی۔

## سفر میں دعا کی قبولیت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں۔

(۱) مظلوم کی دعا

(۲) مسافر کی دعا

(۳) باپ کی بیٹے کے خلاف بددعا۔ (ترمذی: ج ۲، ص ۲۰۵، ابن ماجہ: ۲۸۳)

ابوداؤد کی روایت میں بددعا کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس حدیث میں مسافر کو بھی ان لوگوں میں شمار کیا ہے جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مسافر گھربار سے دور ہوتا ہے آرام نہ ملنے کی وجہ سے مجبور اور پریشان ہوتا ہے جب اپنی مجبوری اور حاجت مندی کی وجہ سے دعا کرتا ہے تو اس کی اخلاص بھری دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ چونکہ مسافر کو عام طور سے بے بسی اور بے کسی کی حالت درپیش ہوتی ہے اس لئے اس کی دعا صدق دل سے نکلتی ہے اور ضرور قبول ہو جاتی ہے۔

سفر میں گھنٹی اور کتے کو ساتھ رکھنے کی ممانعت:

مسافر کو چاہئے کہ کتا گھنٹی اور گھنگر سفر میں ساتھ نہ رکھے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اس جماعت کے ساتھ نیکی کے فرشتے نہیں جاتے جس کے ساتھ کتا یا گھنٹی اور گھنگر وہوں۔ (مشکوٰۃ: ص ۳۳۸، ج ۲، بلوغ الامانی: ج ۵، ص ۵۴)

## سواری کے آداب

اگر سواری کسی جانور پر ہے تو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

جانور کو بھوکا نہ رکھا جائے:

سواری اگر جانور پر ہے تو مسافر کو چاہئے کہ اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور پیٹ بھر کر کھلائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں سے ایک آدمی کے باغ میں داخل ہوئے تو اس میں

اچانک ایک اونٹ پر نظر پڑی جب اس اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے کوہان اور اس کے سر کے پچھلے حصہ پر ہاتھ پھیرا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو انصار میں سے ایک نوجوان آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا ان جانوروں کے بارے میں جن کا اللہ نے تجھ کو مالک بنایا ہے اللہ سے ڈرتا نہیں؟ اس لئے کہ یہ اونٹ مجھ سے شکایت کرتا ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور بار برداری زیادہ کرتا ہے۔ (ابوداؤد: ج ۱، ص ۳۵۲)

دوران سفر عورتوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے:

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں ایک سفر میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ تھی کہ آپ ﷺ نے حدی خواں سے فرمایا جس کا نام انجہ تھا:

((رُوَيْدُكَ سَوْفَا بِالْقَوَارِي)) (بخاری: ج ۲، ص ۹۰۸)

”ارے انجہ! شیشوں کو آہستہ لے چل۔“

اس حدیث میں دوران سفر عورتوں کے ساتھ شفقت، مہربانی اور رافت و رحمت سکھائی گئی ہے۔ نیز ان کے آرام و راحت کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ عورتوں کا تعلق صنف نازک سے ہے اور بوجہ طبعی کمزوری ان میں تکلیف و مصیبت برداشت کرنے کی صلاحیت مردوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔

عورت کا تنہا سفر کرنا منع ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَكُّفٌ يَوْمًا وَآلْيَوْمَ تَسَافِرُ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ مِنْ أَهْلِهَا)) (بلوغ الامانی: ج ۵، ص ۸۷)

”جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ

ذی محرم کے بغیر ایک دن اور ایک رات کا سفر کرے۔“

ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی میں کسی عورت کو تنہا یا بغیر ذی محرم کے سفر کرنا جائز نہیں

ہے۔ اب جو عورتیں اس ارشاد نبوی ﷺ کی خلاف ورزی کرتی ہیں وہ اکثر ان برے نتائج سے دوچار ہو جاتی ہیں جن کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے تہا سفر کرنے سے منع فرمایا تھا۔

۱۹۵۳ء کا واقعہ تو سب ہی کو یاد ہو گا کہ سکھر سے ایک عورت تنہا ریل پر سفر کر کے سبھرات آئی تھی تو وہاں لارینوں کے اڈے پر بد معاشوں اور بد قماش لوگوں نے اس کے ساتھ جو بد سلوکی کی۔ بد معاشی اور بے حیائی کرنے کے بعد اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ سب کچھ ارشاد نبوی ﷺ کی خلاف ورزی کا نتیجہ تھا۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات آئے دن اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ لوگ پڑھتے بھی ہیں مگر عبرت و نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

### عورت کا سفر حج:

عورت کے بلا محرم حج کرنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اس معاملہ میں چار مسلک پائے جاتے ہیں جنہیں ہم یہاں مختصر اِبیان کر دیتے ہیں۔

(۱) عورت کو کسی حال میں شوہر یا محرم کے بغیر حج نہ کرنا چاہئے۔ یہ مسلک ابراہیم، حنفی، طاووس، شافعی اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے اور حنبلی مذہب کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان فرماتے ہیں:

(( لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ وَ لَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا رَجُلٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَخْرُجَ فِي حَجٍّ كَذَا وَ كَذَا وَ امْرَأَتِي تُرِيدُ الْحَجَّ فَقَالَ اخْرُجْ مَعَهَا )) (بخاری ج ۱ ص ۲۵۰)

”کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور کوئی آدمی کسی غیر عورت کے پاس اس کے محرم کے بغیر نہ جائے۔ ایک آدمی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! میرا فلاں فلاں فوج کے ساتھ جہاد کے لئے جانے کا ارادہ ہے اور میری بیوی کا حج کا ارادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جاؤ۔“



(۲) اگر حج کا سفر تین دن رات سے کم کا ہو تو عورت بلا محرم جاسکتی ہے۔ لیکن اگر تین دن یا اس سے زائد کا سفر ہو تو شوہر یا محرم کے بغیر نہیں جاسکتی۔ امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔

(۳) جو عورت شوہر یا محرم نہ رکھتی ہو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ جاسکتی ہے جن کی اخلاقی حالت قابل اطمینان ہو۔ یہ ابن سیرین، عطاء، زہری، قتادہ اور اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قابل اطمینان رفیقوں کی مزید تشریح اس طرح کی ہے کہ اگر چند عورتیں بھروسے کے قابل ہوں اور وہ اپنے مردوں کے ساتھ جا رہی ہوں تو ایک بے شوہر اور بے محرم عورت ان کے ساتھ جاسکتی ہے۔ البتہ صرف ایک عورت کے ساتھ اسے نہ جانا چاہئے۔

(۴) ان سب کے خلاف ابن حزم ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ بے محرم عورت کو تنہا ہی حج کے لئے جانا جائز ہے۔ اگر وہ شوہر رکھتی ہو اور وہ اسے نہ لے جائے تو شوہر گناہگار ہوگا۔ مگر عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے بغیر ہی حج کو چلی جائے۔ ہمارے نزدیک ان چاروں مسالک میں سے تیسرا مسلک رائج ہے۔ کیونکہ اس میں ایک دینی فریضہ ادا کرنے کی گنجائش بھی اور اس فتنے کا احتمال بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے حدیث میں عورت کے بلا محرم سفر کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ نیز اس مسلک کے لئے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا عمل بھی ہے جو کتب احادیث میں مروی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

((أَذِنَ عُمَرُ لِأَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فِي إِخْرَ حَجَّةٍ حَصَمَهَا فَبَعَثَ مَعَهُنَّ عُثْمَانَ

بْنَ عَفَّانٍ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ)) (بخاری: ج ۱، ص ۲۵۰)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری حج میں آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات رضی

اللہ عنہن کو حج کرنے کی اجازت دے دی اور ان کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔“

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے آگے آگے چلتے تھے اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے اور وہ ہودجوں میں بیٹھی ہوئی تھیں اور ان پر سبز چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے حج کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں حج کرایا۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح بخاری: ج ۳ ص ۴۴۳، قسطلانی: ج ۲ ص ۲۶۲)

### فراغت کے بعد سفر سے جلدی واپس آ جانا چاہئے:

مسافر کو چاہئے کہ جب اس کی حاجت پوری ہو جائے تو جلد اپنے گھر لوٹ آئے۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ:

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ آدمی کو کھانے پینے سے روک دیتا ہے۔ پس جب کوئی اپنا کام پورا کر چکے تو جلد سفر سے اپنے گھر والوں میں واپس آ جائے۔

(بخاری: ج ۱ ص ۲۳۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت سفر اختیار کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں سراسر تکلیف و مشقت ہوتی ہے۔ اس لئے جلد واپس آنا مستحب ہے۔ کیونکہ اپنے بیوی بچوں میں رہنے میں راحت ہوتی ہے، جس میں دین و دنیا کی صلاحیت اور جمعہ جماعت کی مداومت نیز دیگر عبادات پر قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ جو حدیث ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً آیا ہے کہ سفر کرو رزق میں کشادگی پاؤ گے، تندرست ہو جاؤ گے، سو اس حدیث اور پہلی حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ سفر میں صحت باعتبار ریاضت و تہیابی آب و ہوا کے ہے اور عذاب کا ٹکڑا باعتبار مشقت و تکلیف کے ہے جو عموماً سفر میں لاحق ہوتی ہے۔ (فتح الباری: ج ۲ ص ۳۷۳)

### سفر سے واپسی پر دوستوں کی دعوت کرنا:

جب آدمی کسی طویل سفر سے واپس آتا ہے تو اکثر دوست احباب ملنے کے لئے آ جاتے ہیں تو ایسے موقعوں پر دوستوں کو کھانا کھلانا یا کسی دیگر کھانے پینے کی چیز سے ان کی توفیق کرنا سنت ہے۔ حدیث میں آیا ہے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک یا ذات الرقاع سے لوٹ کر واپس مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ایک اونٹ یا ایک گائے ذبح کی پھر سب لوگوں کو اس کا گوشت کھلایا۔

(بخاری: ج ۱ ص ۴۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق آیا ہے کہ جب وہ کسی سفر سے واپس گھر آتے تو دوست احباب ان سے ملاقات کے لئے آتے تو آپ ان کے ساتھ کھانے پینے کی خاطر چند روز تک روزہ نہ رکھتے۔ (بخاری: ج ۱ ص ۴۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ سفر میں مستقلاً روزہ نہ رکھتے نہ قضاء نہ نفل اور حضر میں اکثر نفل روزے رکھا کرتے۔ (فتح الباری: ج ۶ ص ۵۳۴)

سفر سے واپسی کی دعا:

مسافر جب اپنے وطن کو واپس لوٹے تو تین دفعہ تکبیر کہہ کر یہ دعا پڑھے:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آمِنُونَ تَأْمِنُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ۔ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدُهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ))

(بخاری: ج ۲ ص ۸۳۵ شرح السنہ: ج ۵ ص ۱۳۹)

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا ہے اور تعریف اسی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوٹ آئے ہیں توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے سجدہ کرنے والے اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے حضرت محمد ﷺ کی مدد فرمائی اور کافروں کے گروہ کو تباہ کر دیا۔“

جب اپنا شہر نظر آئے تو یہ دعا پڑھنی چاہئے:

((آمِنُونَ تَأْمِنُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ)) (حسن حصین: ص ۱۴۴)

واپسی پر تحیۃ المسجد:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں

تھے۔ جب ہم واپس مدینہ آئے تو آپ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو، پھر گھر جاؤ۔ (مشکوٰۃ: ج ۲، ص ۳۳۹)

معلوم ہوا کہ مسافر کو گھر جانے سے پہلے مسجد میں جا کر وہاں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا سنت ہے۔ ظاہر احادیث سے تو اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں وجوب کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔ اور علامہ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”دلیل الطالب“ اور ”الروضۃ الندیۃ“ میں اس کو حق کہا ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ پھر جب اپنے گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

((تَوْبًا تَوْبًا لِرَبَّنَا اَوْبًا لَا يُغَادِرُ عَلَيْنَا حُوبًا)) (حصن حصین: ص ۱۳۳)

”ہم لوٹ کر آئے اللہ کے حضور توبہ کرتے ہیں تو ہمارے سب گناہوں کو معاف فرمائے گا۔“

طویل سفر کے بعد اچانک رات کو گھر آنا منع ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف میں ان الفاظ سے ایک باب قائم کیا ہے: ”بَابُ لَا يَطْرُقُ أَفْهَلُهُ إِذَا بَلَغَ الْمَدِينَةَ“ یعنی باب ہے اس بارے میں کہ جب آدمی سفر سے واپس اپنے شہر میں آئے تو رات کو اچانک پیشگی اطلاع دیئے بغیر گھر میں نہ آئے۔

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حدیث لائے ہیں:

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَطْرُقَ أَفْهَلُهُ، لَيْلًا)) (بخاری: ج ۱، ص ۲۳۲)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر سے رات کو اپنے گھر میں آنے سے منع فرمایا ہے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس باب اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسافر مدت کے بعد واپس آئے تو رات کو اپنے گھر میں اچانک نہ آئے بلکہ گھر والوں کو اپنے آنے کی پیشگی اطلاع دینی ضروری ہے۔

## اچانک نہ آنے کی حکمت:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر یہ باب قائم کیا ہے:  
 ”بَابُ لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا إِذَا طَالَ اللَّيْلُ مَخَافَةَ أَنْ يُغْوَوْنَهُمْ أَوْ يَلْتَمِسَ  
 عَشْرَتَهُمْ“

یہ باب اس بارے میں ہے کہ مسافر کو کسی لمبے سفر کے بعد اچانک رات کو گھر آنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ ایسا نہ بنے جیسے کوئی اپنے گھر کی کمزوریوں کی ٹوہ لگاتا ہے یا پردہ فاش کرتا ہے۔

یہی علت چونکہ ایک دوسری حدیث میں بھی وارد ہے بدیں وجہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو باب قائم کر کے واضح کر دیا۔  
 حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت اس طرح آئی ہے:

((لَا تَلْجُوا عَلَى الْمُعْتَبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْرِى مِنْ ابْنِ آدَمَ مَحْرَى الدَّمِ)) (فتح الباری: ج ۱۱ ص ۲۵۴)

”معتبات عورتوں پر اچانک نہ آیا کرو کیونکہ شیطان ابن آدمی کے اندر اس طرح چتا ہے جیسے جسم میں خون گردش کرتا ہے۔“

لیکن اگر مسافر پہلے سے اپنے آنے کی اطلاع دے چکا ہے یا سفر مختصر تھا تو رات کو ہی گھر جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ خود بعض الفاظ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت اس طرح آئی ہے:  
 ((قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ غَزْوَةٍ فَقَالَ لَا تَطْرُقُوا النِّسَاءَ وَأَرْسَلَ مَنْ يُؤْذِنُ النَّاسَ أَنَّهُمْ قَادِمُونَ)) (فتح الباری: ج ۱۱ ص ۲۵۴)

”آنحضرت ﷺ ایک جنگ سے واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا اچانک عورتوں کے پاس گھر میں نہ جانا اور ایک آدمی بھی بھیج دیا تاکہ مسافروں کے واپس آنے کی پیشگی اطلاع کر دے۔“

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہزاروں دینی اور دنیاوی فوائد مضمحل ہیں، اپنے اپنے وقت پر ان کی خوبیاں ضرور ظاہر ہوتی ہیں۔ جو لوگ آپ کی تعلیمات و ہدایات پر عمل نہیں کرتے وہ مخالفت کے نتائج بھی دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”وَقَدْ خَالَفَ بَعْضُهُمْ فَرَأَى عِنْدَ أَهْلِهِ رَجُلًا فَعُوقِبَ بِذَلِكَ عَلَى مُخَالَفَتِهِ“

(فتح الباری: ج ۱۱، ص ۲۵۴)

”بعض لوگوں نے آپ ﷺ کی ہدایت کی مخالفت کی اور رات کو اچانک گھر چلے گئے تو انہوں نے اپنے گھروں میں اجنبی مردوں کو پایا۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت اس طرح آئی ہے:

((نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُطْرَقَ النِّسَاءُ لَيْلًا فَطَرَقَ رَجُلَانِ كِلَاهُمَا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ مَا يَنْكَرُهُ)) (فتح الباری: ج ۱۱، ص ۲۵۵)

”سفر سے واپسی پر اچانک گھر میں جانے سے آپ نے منع فرمایا۔ چنانچہ دو آدمیوں نے آپ کے اس حکم صریح کی مخالفت کی اور اچانک رات کو گھر چلے تو ان دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کے پاس غیر مرد کو بری حالت میں پایا۔“

شان ورود:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث کا شان ورود یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اچانک رات کو اپنے گھر آئے تو اس وقت ان کی بیوی کے پاس ایک مشاطہ بیٹھی ہوئی تھی جو ان کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس کو ایک اجنبی مرد سمجھ کر تلوار مارنے لگے تو ان کی بیوی صاحبہ نے بتایا کہ یہ اجنبی مرد نہیں ہے بلکہ یہ ایک عورت ہے جو کنگھی کرنے آئی ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ جب آنحضرت ﷺ کے سامنے کیا گیا تو آپ نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر فرمایا کہ کوئی مسافر طویل سفر کے بعد بدوں اطلاع اچانک رات کو گھر میں نہ جائے۔ (فتح الباری: ج ۱۱، ص ۲۵۵)

ویسے بھی عورت خاوند کی غیر حاضری میں صفائی کا اہتمام نہیں رکھتی۔ اس لئے ایسی حالت میں اچانک خاوند اپنی عورت کے پاس چلا جائے تو میاں بیوی کے درمیان بجائے محبت بڑھنے کے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے مسافر کو اچانک رات میں گھر آنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

گھر والوں کے لئے تحفہ:

علامہ ابن عبد البر مغربی فرماتے ہیں کہ:

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب آدمی سفر سے آئے تو اپنے اہل و عیال اور دوست و احباب کے لئے تحفہ و سوغات کھانے پینے وغیرہ کی کوئی چیز اپنی گنجائش کے مطابق ساتھ لیتا آئے۔ حدیث میں اس کی یہاں تک تاکید آئی ہے کہ اگر اور کچھ نہ ملے تو اپنی جھولی میں کوئی خوبصورت پتھر ہی ڈال کر لے آئے۔

(دارقطنی، فتح الباری: ج ۲، ص ۳۷۳۔ کنز العمال: ج ۲، ص ۳۲)

بعض روایات میں ہے کہ لکڑیوں کا گٹھائی لے آئے تاکہ گھر والے خوش ہوں۔

(کنز العمال: ج ۲، ص ۳۲)

### عند الملاقات سلام:

دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار و محبت یا جذبہ اکرام و خیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس و سرور کرنے کے لئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت عربوں میں بھی اسی طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

مشہور صحابی رسول حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں ”أَنْعَمَ اللَّهُ بِكَ عَيْنًا“ (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور ”أَنْعَمَ صَبَاحًا“ (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کہا کرتے تھے۔ جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئے تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی یعنی اس کے بجائے ہمیں ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیر اندیش کے اظہار کے لئے سوچا نہیں جاسکتا۔ ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے یہ بہترین اور نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ اپنے سے چھوٹوں کے لئے شفقت اور رحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لئے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے۔ اور پھر ”السَّلَامُ“ اسماء الہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔

اور اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں: ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ الخ۔

اور ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ: جب ہمارے وہ بندے آپ ﷺ کے پاس آئیں جو ایمان لائے ہیں تو آپ ﷺ ان سے کہیں کہ: ((سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ)) (السلام علیکم تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرما دیا ہے۔) اور آخرت میں داخلہ جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان سے فرمایا جائے گا:

﴿أَذْخَلُوهَا بِسَلَامٍ اٰوْر سَلَامٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾

الغرض آپس میں جب ملاقات ہو خواہ یہ کسی سفر سے واپسی کی ہو یا ویسے ہی ملاقات ہو، ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی نہایت مبارک تعلیمات میں سے ہے اور یہ اسلام کا شعار ہے۔

مصافحہ:

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبہ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں



صراحت یہی بات بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:  
 ((مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْآخِذُ بِالْيَدِ)) (ترمذی: ج ۲ ص ۹۷)  
 ”سلام کا مکملہ مصافحہ ہے۔“

قنادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا  
 اصحاب رسول ﷺ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں۔

(ترمذی: ج ۲ ص ۹۷)

(قریب قریب یہی مضمون جامع ترمذی ہی میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں  
 مشہور صحابی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔)



## مصافحہ کا اجر و ثواب اور اس کی برکتیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( إِذَا تَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَ اللَّهُ وَاسْتَغْفَرَهُ غُفِرَ لَهُمَا ))

(ابوداؤد: ج ۲ ص ۳۶۱)

”جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی۔“

عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( تَصَافَحُوا يَذْهَبِ الْغُلُّ وَتَهَادُّوا تَحَابُّوا وَتَذْهَبِ الشُّحْنَاءُ ))

(موطا امام مالک)

”تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔“

یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسل روایت کی ہے یعنی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی رضی اللہ عنہ سے پہنچی ہے۔ ایسی حدیث کو مرسل کہا جاتا ہے اور اس طریقہ پر روایت کرنے کو ارسال۔

یہاں یہ یاد رہے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو۔ جو دانہ بے جان ہو چکا ہو اس سے پودا نہیں اگتا۔

### معانقہ و تقبیل:

محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے۔ لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جب موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور اس سے کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ جب اپنے بھائی یا عزیز یا دوست سے ملاقات ہو تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے پٹ جائیں اس کو گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا تو پھر اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس کی اجازت ہے۔ اس حدیث سے معافقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اس صورت سے پہلے جب کہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ خود رسول اللہ ﷺ کے معافقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوں گے۔

((عَنْ أَيُّوبَ بْنِ بُشَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عِزَّةٍ أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِأَيُّوبَ ذُرْ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَافِحُهُمْ إِذَا لَقِيْتُمُوهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهُ قَطُّ إِلَّا صَافِحَنِي وَبَعَثَ إِلَيَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ أَكُنْ فِي أَهْلِي فَلَمَّا جِئْتُ أَخْبَرْتُ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ عَلَى سَرِيرٍ فَالْتَزَمَنِي فَكَانَتْ يَدُكَ أَجُودَ أَجُودَ)) (ابوداؤد: ج ۲ ص ۳۶۱)

”ایوب بن بشیر قبیلہ بنوعزہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں اس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں جب بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ملا تو آپ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور ایک دفعہ آپ ﷺ نے مجھے گھر سے بلوایا میں اس وقت گھر پر نہیں تھا جب میں گھر آیا اور مجھے بتایا گیا (کہ حضور ﷺ نے مجھے بلوایا تھا) تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ اپنے سر پر تھے (جو کھجور کی شاخوں سے ایک تخت یا چارپائی کی طرح بنالیا جاتا تھا)۔ آپ (اس سے اٹھ کر) مجھ سے پٹ گئے اور گلے لگا لیا اور آپ ﷺ کا معافقہ بہت خوب اور بہت ہی خوب تھا (یعنی لذت بخش اور بہت ہی مبارک تھا)۔

امام قسمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرسل روایت ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَلَقَّى جَعْفَرَ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ فَالتَزَمَهُ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ))

(ابوداؤد: ج ۲ ص ۳۶۲)

”رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا (جب وہ جشہ سے واپس آئے) تو آپ ان کو لپٹ گئے یعنی معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (ان کی پیشانی کو) بوسہ دیا۔“

امام زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرماتے ہیں:

((قَلِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِينَةَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي تَيْشِي فَاتَاهُ فَفَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غُرْبَانًا يَحْرُ تَوْبَهُ وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُهُ غُرْبَانًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ فَاغْتَنَّقَهُ وَقَبَّلَهُ)) (ترمذی)

”جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے تو آپ ﷺ اس وقت میرے گھر میں تھے۔ دروازے پر آکر انہوں نے دستک دی۔ جب آپ ﷺ کو زید کی آمد کا علم ہوا تو خوشی سے جلدی اس کی طرف اٹھے۔ آپ ﷺ کے جسم پر سوائے تہبند کے اس وقت کوئی کپڑا بھی نہیں تھا۔ آپ ﷺ اسی حالت میں تہبند کو کھینچتے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ اسے گلے لگایا اور بوسہ دیا۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل و صورت، سیرت و عادت اور چال و حال میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو صا جزا دی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھیں)۔ جب وہ حضور ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ (جوش محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے اور پیار سے اس کو چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا)۔ جب آپ ان کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں آپ ﷺ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں، اس کو چومتیں

اور اپنی جگہ پر آپ کو بٹھاتیں۔ (ابوداؤد: ج ۲ ص ۳۶۲)

یہ روایت اور اس سے پہلی درج شدہ روایات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معافقہ اور تقبیل (ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز اور خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو جس میں معافقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم یا تو حضر میں ملاقات کے لئے خاص ہے (سفر سے واپسی پر معافقہ اور تقبیل کی ممانعت نہیں ہے) یا پھر یہ حکم ان مواقع کے لئے ہے جن مواقع پر سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضور ﷺ کے کھڑے ہو جانے اور حضور ﷺ کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کھڑے ہونے کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام و احترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز و محبوب یا علم و فضل کے لحاظ سے کسی محترم بزرگ کے لئے کھڑے ہو جانا بھی جائز ہے۔ لیکن ترمذی وغیرہ کی بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے پر اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ ﷺ اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے۔ (ترمذی)۔ شارحین حدیث نے ان دونوں قسم کی روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ کسی کے لئے کھڑا ہونا تعظیم کے لئے ہو تو منع ہے، اگر تعظیم نہ ہو بلکہ جذبہ محبت یا کسی کے علم و فضل اور بزرگی کی بناء پر کھڑا ہونا ہو تو جائز ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جس میں یہی مذکورہ تطبیق ذکر کی ہے مگر بعض دوسرے علماء نے اسی مذکورہ تطبیق کو پسند نہیں کیا، ان کے نزدیک کسی کے لئے مطلقاً قیام منع ہے۔ ان علماء میں سے شیخ ابن الحاج خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنی مشہور کتاب ”المدخل“ میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ رسالہ کو نقل کر کے بھرپور رد کیا ہے۔ جو شخص اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث دیکھنا چاہتا ہے وہ ”المدخل“ کا ضرور مطالعہ کرے۔

## سفر کی نماز

جب تک جسم میں جان ہے اور حواس قائم ہیں نماز ادا کرنا فرض ہے۔ نبی، ولی، عالم، جاہل کوئی بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرمایا:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (سورہ البقرہ)

”اس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔“

آپ پر عبادت فرض ہے لیکن مشکلات کا لحاظ رکھتے ہوئے وقتی طور پر رعایت دی ہے کہ جیسے ہو سکے ادا کر لو فَصَلُوا رَحَالًا أَوْ رُكْبَانًا چلتے ہوئے اور سواری پر نماز پڑھ لو۔ سفر بھی اسی قسم کا عذر ہے۔ مسافر دولت مند ہو یا مسکین اثنائے سفر اسے حسب حال جس قدر بھی سہولت میسر ہو وہ گھر کے برابر نہیں ہو سکتی۔ سفر ہر ایک کے لئے بہر حال سفر ہے۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ آدمی کو کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ پس جب کوئی اپنا کام پورا کر چکے تو جلد از جلد سفر سے اپنے گھر والوں میں لوٹ آئے۔

(صحیح بخاری: ج ۱ ص ۲۴۲)

نقل و حمل کے وسائل و ذرائع دنیا میں ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ پیدل سے لے کر ہوائی جہاز تک کے ذرائع موجود ہیں۔ دنیا نے ان ذرائع میں ترقی کی ہے۔ مگر سفر بہر حال مشکل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عاجز بندوں کی اس حالت پر رحم فرما کر کچھ رخصتیں عطا فرمائی ہیں۔ سب سے بھاری رخصت تو یہ عطا کی کہ نماز میں قصر کرنے کی اجازت دی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنْ

الصَّلَاةُ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ (النساء)

”اور جب تم لوگ سفر کے لئے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو۔

خصوصاً جب تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔“

قرآن عزیز کی اس آیت سے سفر میں بحالت خوف نماز قصر کرنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ فتح مکہ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت فرمایا کہ اب تو کوئی خوف نہیں کیا اب بھی سفر میں قصر کی اجازت ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

((صَدَقَ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهِ عَلَيْكُمْ)) (ابوداؤد مع عون المعبود: ج ۱ ص ۴۶۵)

”یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے خوف نہ ہو تو بھی درست ہے۔“

زمانہ امن کے سفر میں قصر یہ ہے کہ جن اوقات کی نماز چار رکعتیں فرض ہیں ان میں دو رکعتیں پڑھی جائیں اور حالت جنگ میں قصر کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جماعت کا موقع ہو تو جماعت کے ساتھ ورنہ فرداً فرداً ہی سہی۔ قبلہ رخ نہ ہو سکتے ہوں تو جدھر بھی ہو سواری پر بیٹھے ہوئے اور چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ رکوع، سجدہ ممکن نہ ہو تو اشارہ ہی سہی۔ ضرورت پڑے تو نماز کی حالت میں چل پھر بھی سکتے ہیں۔ کپڑوں کو خون لگا ہوا ہو تو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ان سب آسانیوں کے باوجود اگر ایسی پرخطر حالت ہو کہ کسی طرح نماز نہ پڑھی جاسکے تو مجبوراً مؤخر کی جائے۔ جیسے خندق کے موقع پر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار نمازیں اکٹھی عشاء کے وقت ادا فرمائیں۔ کیونکہ اس روز گھسان کا مقابلہ رہا اور نماز ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ (نیل الاوطار: ج ۱ ص ۳۱۴)

قصر عزیمت ہے یا رخصت؟

بعض ائمہ کرام نے ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ یعنی ”قصر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں“ کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ سفر میں قصر کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ محض اس کی اجازت ہے۔ آدی چاہے تو اس سے قنائد اٹھائے ورنہ پوری پڑھے۔ یہی رائے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کی ہے اگرچہ وہ قصر کرنے کو افضل اور ترک قصر کو ادلی قرار دیتے ہیں۔

(۱) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصر کرنا واجب تو نہیں مگر نہ کرنا مکروہ ہے۔

(۲) بعض اہل علم قصر ضروری سمجھتے ہیں اور سفر میں پوری نماز کو ناپسند کرتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور امام شوکانی رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہی تحقیق ہے۔ اور یہی رائے ایک روایت میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے اور ذیل کی حدیث بھی اسی نظریہ کی مؤید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((فَرَضَ اللَّهُ الصَّلَاةَ عَلَى نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الدَّخْوَةِ رَكْعَةً)) (صحیح مسلم: ج ۱ ص ۲۴۱، مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۱۱۹)

”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان مبارک پر حجر کی نماز چار رکعت مقرر فرمائی اور سفر کی نماز دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت۔“

اس حدیث کا بظاہر یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی نماز مقرر ہی دو رکعت کی گئی۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رخصت اللہ کا عطیہ ہے اس کو قبول نہ کرنا اس کی ناشکری ہے۔ اس لئے قصر ضروری ہے اور پوری پڑھنا پسندیدہ فعل نہیں ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ سفر میں قصر کی ہے اور کسی معتبر روایت میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی سفر میں چار رکعتیں پڑھی ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

((صَحِبْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ كَذَلِكَ)) (صحیح بخاری: ج ۱ ص ۱۴۹، صحیح مسلم: ج ۱ ص ۲۴۲)

اس کی تائید میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مستند روایات منقول ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب حج کے موقع پر منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اعتراض کیا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کیا کہ میں نے مکہ میں شادی کر لی ہے اور چونکہ نبی ﷺ سے میں نے



سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں متاثر ہو وہ گویا اس شہر کا باشندہ ہے۔ اس لئے میں نے یہاں قصر نہیں کی۔ (نیل الاوطار: ج ۳ ص ۲۰۲)

سفر میں نفلی نماز:

نفلی نماز دو قسم کی ہے:

(۲) غیر راتبہ

(۱) راتبہ

(۱) راتبہ:

اس سے مراد وہ سنن مؤکدہ ہیں جو فرضوں سے قبل اور بعد پڑھی جاتی ہیں اور ان پر آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مواظبت فرمائی ہے اور امت کو ان کے پڑھنے کی بہت تاکید کی ہے۔

(۲) غیر راتبہ:

اس سے مراد وہ عام نوافل ہیں جن کے پڑھنے سے انسان اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور نہ پڑھنے سے عند اللہ ماثوم و معقوب نہیں ٹھہرتا۔

اس جگہ ایک اہم بحث یہ ہے کہ سفر میں فرائض کے علاوہ نفلی نماز کی بھی قصر ہے یا (معافی) نہیں؟ اس میں علماء کے چھ مسلک ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) سفر میں ہر قسم کی نفلی نماز پڑھنی منع ہے۔

(۲) ہر قسم کی نفلی نماز پڑھنی جائز ہے۔ یہ قول جمہور علمائے امت کا ہے۔ ان کے

نزدیک سفر میں اگرچہ فرائض میں قصر ہے تاہم اگر کوئی شخص اجر و ثواب کی خاطر عام نوافل بھی پڑھے تو مورد طعن نہیں ہے بلکہ عند اللہ ثواب پائے گا۔ ان کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے:

(۱) ((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ الْآنصَارِيِّ قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ))

(ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۷۹)

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ کے ساتھ

اٹھارہ سفروں میں رفاقت کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کو دو رکعت بعد الزوال قبل الظہر چھوڑتے نہیں دیکھا۔“

یہ دو رکعتیں کیسی تھیں؟ اس میں تین احتمالات ہیں:

(۱) وضو کے دو نفل

(۲) زوال کی دو رکعتیں

(۳) ظہر کی دو سنت

صاحب تحفۃ الاحوذی اور صاحب مرعاة الفاتح نے تیسرے احتمال کو اظہر قرار دیا ہے۔ لہذا یہ حدیث ان لوگوں کی قوی دلیل ہے جو سفر میں سنن رواتب کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ اور اسی حدیث کو سامنے رکھ کر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سفر میں فرض نماز سے قبل یا بعد سوائے دو رکعت فجر کی اور سنن رواتب پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ اور کہا ہے شاید یہ حدیث حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت نہ ہوگی ورنہ علی الاطلاق نفی نہ کرتے۔ (فتح الباری: ج ۳، ص ۲۳۲)

علامہ محمود محمد خطاب السبکی فرماتے ہیں:

”لَكِنْ تَقَدَّمَ أَنَّ الْبُخَارِيَّ وَالتِّرْمِذِيَّ حَسَنَاهُ۔“

(العذب المنهل المورود: ج ۷، ص ۸۱)

(۲) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ يُؤْمِنُ بِإِيمَاءِ صَلَوةِ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُؤْتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ))

(بخاری: ج ۱، ص ۱۳۶)

”آنحضرت ﷺ سفر میں اپنی سواری پر ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے، جہاں اس کا منہ ہوتا دھر ہی آپ بھی منہ کر لیتے۔ رکوع و سجود کے لئے سر سے اشارہ کرتے سوائے فرض نماز کے۔ اور وتر آپ ﷺ سواری پر ہی پڑھتے۔“

(۳) حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا سَافَرَ فَأَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ بِنَاقَتِهِ الْقِبْلَةَ

فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ وَجَّهَهُ رُكْبَتَهُ)) (ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۸۰)

”جب آنحضرت ﷺ نفل نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنے اونٹ کا رخ قبلہ کی

طرف کر کے کبیر تحریمہ کہہ لیتے پھر نماز پڑھتے سواری کا رخ جدھر بھی ہو جاتا کوئی

پرداہ نہ کرتے۔“

(۴) جمہور علماء ان مطلق احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں سنن مؤکدہ

کے پڑھنے کی ترغیب و فضیلت وارد ہے اور سفر و حضر کا ان میں کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا۔

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ:

((أَنَّهُ كَانَ يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ)) (ترمذی: ج ۱ ص ۷۲)

”سفر میں نفل نماز پڑھا کرتے تھے۔“

(۶) حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ والے دن ان کے گھر میں غسل کیا اور نماز صبح کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح بخاری: ص ۱۵۷ ج ۱)

فتح مکہ میں آپ مسافر ہونے کی وجہ سے نماز میں قصر کرتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز قصر کرنے کے باوجود نوافل بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نوافل میں سے کسی

کا اتنا خیال نہ رکھتے جس قدر فجر کی سنتوں کا خیال رکھتے یہاں تک کہ آپ نے سفر میں

بھی ادا فرمائی ہیں۔ جیسا کہ ابو ہریرہ، ابو قتادہ، عمران بن حصین وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت

سے صراحت ملتی ہے کہ آپ نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے غزوہ خیبر سے واپسی پر پڑھی ہیں۔

(ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۸۵)

(۸) کئی ایک احادیث سے بھی صراحت ملتی ہے کہ آپ سفر میں اپنی سواری پر ہی

وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

تو ثابت ہوا کہ سفر میں نفلی نماز پڑھنی جائز ہے۔ کیونکہ وتر سنت ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث اس بات پر دال ہیں کہ سفر میں سنن راتبہ اور غیر راتبہ دونوں طرح کی نماز پڑھنی جائز و مشروع ہے اور یہی مسلک زیادہ رائج اور معتبر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

”كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يُسَافِرُونَ فَيَتَطَوَّعُونَ قَبْلَ الْمَكْتُوبَةِ وَيَقْلَعُهَا“ (فقدان: ج ۱ ص ۲۸۸)

”اصحاب رسول ﷺ سفر میں سنن رواتب پڑھ لیا کرتے تھے۔“

صاحب تحفۃ الاحوذی نے بھی اسی مسلک کو رائج قرار دیا ہے۔

(تحفۃ الاحوذی: ج ۱ ص ۳۸۶)

صاحب مرعۃ فرماتے ہیں کہ:

سفر میں وتر اور فجر کی سنن کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ ان کے علاوہ سنن رواتب نماز سے پہلے کی اور بعد کی مسافر کی مرضی پر موقوف ہیں پڑھ لے تو ثواب پائے گا ورنہ عند اللہ مواخذہ نہ ہوگا۔ (مرعۃ الفاتح: ج ۲ ص ۲۶۳)

تیسرا مسلک یہ ہے کہ سفر میں سنن رواتب پڑھنا تو منع ہے لیکن عام نوافل پڑھنے منع نہیں ہیں۔ یہ مسلک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ چنانچہ حفص بن عاصم فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر میں تھا۔ انہوں نے ہمیں ظہر کی دو رکعت نماز پڑھائی پھر اپنے ڈیرے میں آئے اور بیٹھ گئے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو قیام کرتے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا نوافل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے نوافل پڑھنے ہوتے تو میں پوری نماز پڑھ لیتا۔ مجھے آنحضرت ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رفاقت کا موقع ملا ہے وہ اسی طرح کرتے تھے (یعنی نوافل نہیں پڑھتے تھے)۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ ایک بہترین نمونہ ہیں۔“

(صحیح بخاری: ج ۱ ص ۳۹۔ ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۷۲)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جس نفلی نماز کا انکار کیا ہے وہ فرض نماز کے قبل اور بعد کی سنتیں ہیں عام نوافل کی نفی نہیں ہے۔ کیونکہ عام نوافل پڑھنا خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک کا سفر کیا۔ آپ نفلی نماز سواری پر ہی پڑھ لیتے۔ لیکن جب فرض نماز پڑھنے کا وقت آتا تو نیچے اتر کر پڑھتے۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

ایک دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح آئی ہے:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُسَبِّحُ عَلَى رَاحِلَتِهِ حِينَ كَانَ وَجْهَهُ يُؤْمِنُ بِرَأْسِهِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ)) (بخاری: ج ۱ ص ۱۳۹)

”آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر نوافل پڑھ لیا کرتے تھے، جدھر اس کا منہ ہوتا ادھر ہی آپ بھی منہ کر لیتے اور رکوع، سجود کے لئے سر سے اشارہ کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح پڑھ لیا کرتے تھے۔“

علامہ محمود محمد خطاب السبکی فرماتے ہیں:

”أَمَّا النَّوَافِلُ الْمَطْلُوقَةُ فَقَدْ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَتْرُكُهَا فِي السَّفَرِ“

(العذب الحميل المورد شرح ابی داؤد: ج ۷ ص ۸۰)

”عام نفلی نماز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی سفر میں پڑھ لیا کرتے تھے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ دو احادیث پر حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو دو باب قائم کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی مسلک کو رائج سمجھتے ہیں۔ نیز موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

”أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَرَى ابْنَهُ، عُيَيْنَةَ اللَّهِ يَتَّقِلُ فِي السَّفَرِ فَلَا

يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔“

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتے ہوئے دیکھتے تو منع نہ کرتے۔“

چوتھا مسلک یہ ہے کہ عام نوافل دن میں پڑھنے تو ٹھیک نہیں ہیں البتہ رات کو پڑھنے مباح ہیں۔

پانچواں مسلک یہ ہے کہ فرضوں سے بعد کی سنن رواتب تو پڑھنی منع ہیں لیکن پہلے والی سنتیں پڑھنی منع نہیں ہیں۔ جن احادیث میں نفی وارد ہے وہ فرضوں سے بعد والی سنن سے متعلق ہے۔ لہذا پہلی سنن اور مطلق نوافل پڑھنے منع نہیں ہیں۔

چھٹا مسلک یہ ہے کہ سفر میں فجر کی سنن اور وتر کے سوا ہر قسم کی سنن رواتب اور غیر رواتب پڑھنی منع ہیں۔

فجر کی سنن اور وتر کی چونکہ تاکید وارد ہے اور آنحضرت ﷺ سے سفر و حضر میں ان کا ترک ثابت نہیں ہے اس لیے بدیں وجہ ان کو ترک نہ کرنا چاہئے۔ یہ رائے شیخ الاسلام حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ (زاد المعاد: ج ۱، ص ۴۳)

ان مذکورہ چھ مسلک میں سے پہلا مسلک زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی مؤید وہ مختلف احادیث ہیں جو آپ اس سے قبل ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

قصر نماز کے لئے سفر کیسا ہو؟

جس سفر میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے وہ سفر کیسا ہونا چاہئے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(۱) بعض ائمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ فی سبیل اللہ ہونا چاہئے۔ جیسے جہاد، حج، طلب علم وغیرہ۔ ابن عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی فتویٰ ہے۔

(۲) بعض ائمہ کہتے ہیں کہ سفر کسی ایسے مقصد کے لئے ہونا چاہئے جو شرعاً جائز ہو۔ حرام و ناجائز اغراض کے لئے جو سفر کیا جائے اس میں قصر کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔ یہ رائے حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم

اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(۳) بعض ائمہ کا یہ خیال ہے کہ قصر ہر سفر میں کیا جاسکتا ہے۔ ربی سفر کی نوعیت تو وہ بذات خود ثواب یا عتاب کی مستحق ہو سکتی ہے مگر قصر کی اجازت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت امام ابو حنیفہ، ثوری، اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ اس میں کسی سفر کی تعیین و تحدید نہیں ہے۔ لہذا مطلق سفر مراد ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لئے یا لوگوں کو ستانے کے لئے نکلا ہو اسے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ قول جمہور امت کے خلاف ہے۔

(۱) ابن کثیر: ج ۲، ص ۳۷۳۔ تفسیر آیات الاحکام از شیخ محمد علی صابونی: ج ۱، ص ۱۷۱

(۴) بعض حضرات قصر کے لئے خوف کی شرط کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن یہ سب مسلک صحیح نہیں ہیں۔

(۵) جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ہر مباح سفر میں قصر جائز ہے خواہ خوف ہو یا نہ ہو۔ حضرت حارث بن وہب فزاعی ص فرماتے ہیں:

((صَلَّى بِنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَآمَنُهُ بِعِنْيِ رَكْعَتَيْنِ))

(مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۱۱۸)

”آنحضرت ﷺ نے ہمیں منیٰ میں (چار کی بجائے) دو رکعت نماز پڑھائی۔ حالانکہ

ہماری اتنی تعداد کبھی نہ ہوئی تھی اور ہم اس قدر بے خوف تھے کہ اس سے پہلے کبھی

اتنے بے خوف نہ تھے۔“

قرآن پاک کے الفاظ میں جو خوف کی شرط وارد ہے ظاہریوں اور خارجیوں نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ قصر صرف حالت جنگ کے لئے ہے اور حالت امن کے سفر میں قصر کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن حدیث میں مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی شبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا:

((صَدَقَ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَأَقْبِلُوا صَدَقَتَهُ)) (مسلم: ج ۱، ص ۲۴۱)

”یہ قصر کی اجازت ایک انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشا ہے لہذا اس کے انعام کو قبول کرو۔“

نیز یہ بات قریب قریب تو اتر سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے امن اور خوف دونوں حالتوں کے سفر میں قصر فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تصریح کرتے ہیں کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ لَا يَخَافُ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ)) (ترمذی: ج ۱ ص ۱۷۷)

”نبی اکرم ﷺ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور اس وقت رب العالمین کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ مگر آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں۔“

### مقدار سفر:

مقدار سفر جس میں قصر کیا جاسکتا ہے ظاہر یہ کے نزدیک کچھ نہیں ہے۔ ہر سفر میں قصر کیا جاسکتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ۴۸ میل یا ایک دن رات سے کم کے سفر میں قصر نہیں ہے۔ یہی رائے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک قول اس کی تائید میں مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ۱۵ میل کے سفر میں قصر کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ امام اوزاعی اور امام زہری رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو لیتے ہیں کہ ایک دن کا سفر قصر کے لئے کافی ہے۔ حضرت حسن بصری اور امام یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ دو دن سے زیادہ کی مسافت میں قصر جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن صرف ہوں (یعنی تقریباً ۱۸ فرسنگ یا ۵۴ میل) اس میں قصر کیا جاسکتا ہے۔ یہی رائے ابن عمر، ابن مسعود، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے۔

### اہل حدیث:

اہل حدیث عموماً نو میل کے قائل ہیں۔ اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث



حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسنگ نکلتے تو قصر کرتے۔ اس میں میل یا فرسنگ کا شک راوی کو ہوا ہے۔ اصل تین فرسنگ ہے یعنی نو میل اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حجۃ الوداع میں مکہ والوں نے عرفات میں بالاتفاق قصر کیا ہے اور وہ مکہ سے نو میل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نو میل پر قصر کا فتویٰ دیا اور اس کو کئی دلائل سے ثابت کیا۔

### عرف عام:

جہاں تک قرآن پاک کے الفاظ کا تعلق ہے اس میں صرف مطلق سفر کا ذکر آیا ہے تعین نہیں فرمائی۔ اس لئے ہمارے نزدیک صحیح اور رائج امر یہ ہے کہ عرف عام میں جسے سفر کہا جائے اس میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے کسی مسافت کا تعین صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ باقی رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں تین میل یا تین فرسنگ کی تعین کی گئی ہے سو اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس میں راوی حدیث شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو شک ہے کہ تین میل ہے یا تین فرسنگ۔ لہذا یہ حدیث دو معنی کا احتمال رکھتی ہے۔

(۱) سفر کی تحدید کی (۲) یا سفر طویل میں اقامت کی جگہ سے تین میل یا تین فرسنگ دور ہو کر قصر کرنے کی ہے۔ غرضیکہ اس بارے میں یہ حدیث بھی نص صریح نہیں ہے۔ اگرچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَهُوَ أَصَحُّ حَدِيثٍ وَرَدَ فِي بَيَانِ ذَلِكَ وَأَصْرَحُهُ“ (فتح الباری: ج ۲، ص ۳۸۳)

”مسافت کی تحدید کے بیان میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور صریح

ہے۔“

اگر کسی حدیث میں یہ تعین بغیر شک کے آجائے تو آیت کی تخصیص ہو جائے گی۔ ورنہ عموم قرآن کی بناء پر تعداد کا فیصلہ عرف عام سے ہوگا۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی رائے قائم کی ہے۔ (محلّی ابن حزم: ج ۵، ص ۲۱)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَلَمْ يَجِدْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَمْتِهِ مَسَافَةً مَحْلُودَةً لِلْقَصْرِ وَالْفِطْرِ بَلْ أَطْلَقَ

لَهُمْ ذَلِكَ فِي مَطْلَقِ السَّفَرِ وَالضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ كَمَا أَطْلَقَ لَهُمُ التَّيَمُّمُ  
فِي كُلِّ سَفَرٍ۔“ (زاد المعاد: ج ۱ ص ۱۳۷)

”قصر نماز اور روزہ افطار کرنے کے لئے دراصل آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ مطلق سفر مراد ہے جیسا کہ رخصت تیمم کے لئے مطلق سفر آیا ہے۔“

مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واذ برائے قصر و جمع مسافتے معین تحدید نفر مودہ و دریں باب چیزے صحیح مروی نیست بلکہ در مطلق سفر رخصت فرمود۔ (شرح سفر السعادت: ص ۲۴۱)

آنحضرت ﷺ نے نماز قصر اور جمع کے لئے کوئی معین مسافت مقرر نہیں فرمائی اور اس بارے میں کوئی صحیح روایت بھی موجود نہیں ہے بلکہ مطلق سفر میں رخصت فرمائی۔ مشہور محقق السید سابق فرماتے ہیں:

لغت میں جس کو سفر کہتے ہیں خواہ وہ طویل ہو یا نہ ہو اس میں نماز قصر اور جمع کرنے اور روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔ قرآن پاک کی آیت سے متبادر الی الذہن یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ (فقد النہ: ج ۱ ص ۲۸۴)

قدوة المتقین حضرت مولانا عبدالباقر غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

نصوص شرعیہ میں مطلق سفر وارد ہے۔ کوئی صحیح روایت سفر کی تحدید میں میری نظر سے نہیں گزری۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اس میں مختلف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اڑتالیس میل پر دو گانہ پڑھتے تھے۔ طبرانی، دارقطنی اور بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے ((لَا تَقْصُرْ فِي أَقْلٍ مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُجٍ)) مگر یہ روایت باتفاق محدثین ضعیف ہے۔

صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے۔ (قادی: ج ۱ ص ۱۰۸)

حضرت مولانا احمد دین سیالکوٹی مرحوم فرماتے ہیں:

جس حد تک کوئی شخص عام عرف کے مطابق مسافر سمجھا جاتا ہے بس اسی حد تک یا

اس سے زیادہ فاصلے کے لئے مسافرانِ رخصتوں کا مستحق ہے۔

(اسلامی طہارت و عبادت کی فلاسوفی: ص ۳۱۷)

مشہور مترجم کتب احادیث حضرت مولانا وحید الزمان مرحوم فرماتے ہیں:  
محققین اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ جس کو عرف عام میں سفر کہیں اس میں قصر  
کرنی چاہئے اور جس کو سفر نہ کہیں اس میں قصر نہ کی جائے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ سے کوئی  
تحدید خاص تصریح کے ساتھ اس باب میں منقول نہیں ہے۔ (موطا مترجم: ص ۱۳۹)  
شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم فرماتے ہیں:  
سفر کی تعین نہیں آئی، عرف عام میں جتنی مسافت کو سفر کہتے ہیں وہی سفر ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ: ج ۱ ص ۳۶۰)

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم فرماتے ہیں:

عرف عام میں جسے سفر شمار کیا جائے اس میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے کسی  
مسافت کا تعین صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ (مقلوۃ مترجم: ج ۱ ص ۸۸۵)

### مدت سفر:

اثناے سفر دورانِ قیام جس میں قصر کیا جاسکتا ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے  
نزدیک جہاں آدمی نے چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہو وہاں پوری نماز پڑھنی ہوگی۔  
امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاں چار دن سے زیادہ قیام کا  
ارادہ ہو وہاں قصر جائز نہیں۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳ دن اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پندرہ دن یا اس  
سے زیادہ کی نیت قیام پر پوری نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

نبی ﷺ سے اس باب میں کوئی صریح حکم مروی نہیں ہے۔ اور اگر کسی جگہ آدمی مجبوراً  
رکا ہوا ہو اور ہر وقت یہ خیال ہو کہ مجبوری دور ہوتے ہی وطن واپس ہو جائے گا تو تمام  
علماء کا اتفاق ہے کہ ایسی جگہ بلا تعین مدت قصر جائز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بکثرت  
مثالیں ایسی منقول ہیں کہ انہوں نے ایسے حالات میں دو دو سال تک مسلسل قصر کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اسی پر قیاس کر کے قیدی کو بھی اس کے پورے زمانہ قید میں قصر کی اجازت دیتے ہیں۔  
سفر میں دو نمازیں جمع کرنا:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ (سورۃ النساء)

”نماز درحقیقت ایسا فریضہ ہے جو پابندی کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔“  
اوقات کا تعین اول و آخر کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے سنت میں بیان فرمادی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ نماز اول وقت میں پڑھی جائے آخر وقت میں صرف ایک ذمہ داری ادا ہوگی۔ اللہ کی رضا مندی نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی عذر کے بغیر دو نمازیں جمع کرنا درست نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً منقول ہے جس نے دو نمازیں بلا عذر جمع کیں اس نے کبیرہ گناہ کیا۔ (بخاری: ج ۳، ص ۱۶۹)

لیکن ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ نے دو نمازیں جمع کرنے کی اجازت بھی فرمائی ہے۔ یہ شریعت کی طرف سے آسانی ہے۔ خواہ سفر جاری رکھیں یا مسافر کہیں جا کر ٹھہر چکا ہو۔ اور جمع کی صورت یہ ہے کہ ظہر اور عصر کو اکٹھا کرے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو۔

جمع کی اقسام:

جمع کی تین اقسام ہیں:

(۱) جمع تقدیم (۲) جمع تاخیر (۳) جمع صوری

بہتر یہ ہے کہ اگر سفر شروع کرنے سے پہلے سورج کا زوال ختم ہو چکا ہو تو عصر کو وقت سے پہلے ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھ لے۔ اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں۔

اگر سفر شروع کرنے سے پہلے زوال نہ ہوا ہو تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت میں پڑھ لے۔ اسے جمع تاخیر کہتے ہیں۔ اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کر لے۔

اگر ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھ لیا

جائے تو اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ صورتاً جمع دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت جمع نہیں ہے۔ اب ہر ایک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔  
جمع تقدیم:

(۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلُ ذَلِكَ إِنْ غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَإِنْ ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ جَمَعَ بَيْنَهُمَا)) (ابوداؤد: ج ۹ ص ۱۷۸)

”آنحضرت ﷺ تبوک کی جنگ میں اگر سفر شروع ہونے سے پہلے سورج کا زوال ہو جاتا تو ظہر و عصر جمع کر لیتے۔ اگر سورج کے زوال سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو مؤخر فرماتے اور جب عصر کے لئے اترتے تو دونوں نمازیں جمع کر لیتے۔ اور مغرب میں بھی اسی طرح اگر سورج سفر شروع کرنے سے پہلے غائب ہو جاتا تو مغرب اور عشاء جمع کر لیتے۔ اگر غروب سے پہلے سفر شروع فرما لیتے تو مغرب کو مؤخر فرماتے۔ جب عشاء کے لئے اترتے تو دونوں نمازیں جمع کر لیتے۔“

اس حدیث میں جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کا صراحت سے ذکر موجود ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنْ صَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي السَّفَرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ كَانَ إِذَا زَاغَتْ لَهُ الشَّمْسُ فِي مَنْزِلِهِ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ يَرْكَبَ وَإِذَا لَمْ تَزَعْ لَهُ فِي مَنْزِلِهِ سَارَ حَتَّى إِذَا حَانَتِ الْعَصْرُ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِذَا حَانَتْ لَهُ الْمَغْرِبُ فِي مَنْزِلِهِ رَكِبَ حَتَّى إِذَا حَانَتِ الْعِشَاءُ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا)) (دارقطنی: ج ۶ ص ۱۳۹)

”کیا میں تمہیں رسول اکرم ﷺ کی سفری نماز کا حال نہ بیان کروں؟ ہم نے کہا

کیوں نہیں آپ ضرور بیان فرمائیں۔ تو فرمانے لگے کہ اگر آنحضرت ﷺ زوال کے بعد سفر شروع فرماتے تو عصر کو ظہر کے ساتھ جمع فرماتے۔ اگر زوال سے پہلے سفر فرماتے تو ظہر کو عصر کے ساتھ جمع فرماتے۔ اگر غروب آفتاب کے بعد سفر شروع کرتے تو عشاء کو مغرب کے ساتھ مغرب کے وقت پڑھتے۔ اور جب غروب آفتاب سے پہلے سفر کرتے تو مغرب کو عشاء کے ساتھ ادا کرتے۔“

اس حدیث میں بھی جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کا ذکر موجود ہے۔

(۳): (( اِنْ عَلِيًّا كَانَ يَسِيرُ حَتَّىٰ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَاظْلَمَ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبِ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ عَلَى اَثَرِهَا ثُمَّ يَقُولُ هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَضَعُ )) (زیادات المسند: ج ۱ ص ۱۳۶)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سفر میں جا رہے تھے۔ جب سورج غروب ہو گیا اور اندھیرا چھا گیا تو سواری سے اترے اور مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھیں۔ پھر فرمانے لگے رسول اللہ ﷺ کو میں نے ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔“

اس حدیث کی سند کے متعلق محقق شیخ احمد شاہ فرماتے ہیں:

”اسنادہ صحیح“ (مرعاۃ: ج ۲ ص ۲۶۸ ج ۲) اس کی سند صحیح ہے۔

یہی روایت دارقطنی میں بھی ایک دوسری سند سے موجود ہے مگر وہ ضعیف ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے جمع تاخیر ثابت ہوتی ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(( كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ فَرَأَتْ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ ارْتَحَلَ )) (سنن کبریٰ بیہقی: ج ۳ ص ۱۶۲)

”آنحضرت ﷺ جب کسی سفر میں ہوتے اور سورج کا زوال ہو جاتا تو رک کر ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے پڑھتے بعد ازاں پھر سفر شروع کر دیتے۔“

اس حدیث سے بھی جمع تقدیم کا ثبوت ملتا ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت یوں آئی ہے:

((إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى يَدْخُلَ أَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا)) (دارقطنی: ج ۱ ص ۱۳۹)

”رسول اللہ ﷺ سفر میں جب ظہر اور عصر کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو نماز ظہر کو اتنا مؤخر کرتے کہ عصر کا وقت ہو جاتا، پھر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیتے۔“

اس حدیث میں جمع تاخیر کی صراحت پائی جاتی ہے۔

(۶) عمار بن وائلہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے نکلے۔ اس سفر میں آپ ظہر، عصر اور مغرب، عشاء جمع کر کے پڑھتے رہے ہیں۔ (نسائی: ج ۱ ص ۱۹)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ کو کہیں جلدی کا سفر درپیش ہوتا تو ظہر کو عصر کے ساتھ عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے ساتھ عشاء کے وقت میں جمع فرماتے۔ (مسلم: ج ۱ ص ۲۳۵)

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب کوئی جلدی کا سفر پیش آتا تو بعد غروب شفق کے عشاء کے وقت مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھ لیا کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب جلدی ہوتی تو آپ بھی مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کر لیا کرتے۔ (مسلم: ج ۱ ص ۲۳۵)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ”ابواب تقصیر الصلوٰۃ“ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی عمل نقل کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ غَابَتْ لَهُ الشَّمْسُ بِمَكَّةَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا بِسَرَفٍ))

(ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۷۱)

”آنحضرت ﷺ سورج غروب ہونے کے بعد مکہ سے چلے مغرب اور عشاء کی نماز

آپ نے سرف مقام میں جا کر پڑھی (جو مکہ سے ایک میل باہر ایک مقام کا نام ہے)۔“

جمع تقدیم و تاخیر کی تمام روایات نقل کرنے کے بعد محقق عصر حضرت مولانا عبید اللہ

صاحب لکھتے ہیں:

”هَذِهِ الرُّوَايَاتُ صَرِيحَةٌ فِي الْجَمْعِ فِي وَقْتِ إِحْدَى الصَّلَوَتَيْنِ۔“

(مرعاۃ: ج ۱ ص ۲۶۹)

مذکورہ تمام احادیث جمع تقدیم و تاخیر کے اثبات میں صریح ہیں اور علمائے احناف نے جو جمع صوری کہہ کر تاویل کی ہے وہ غلط ہے۔

جمع صوری:

جمع صوری کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھا جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس مغرب اور عشاء ادا کی جائے۔ اس جمع کو صوری اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سورۃ جمع دکھائی دیتی ہے اگرچہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہیں۔ بعض احادیث میں اس جمع کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُقَدِّمُ الْعَصْرَ وَيُؤَخِّرُ

الْمَغْرِبَ وَيُقَدِّمُ الْعِشَاءَ)) (مسند احمد، حاکم)

”سفر میں کبھی آپ ایسا بھی کرتے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت اور عصر کو اس کے اول

وقت میں ادا فرماتے۔“

اس حدیث میں جمع صوری مراد ہے۔ اگرچہ یہ جمع بھی درست ہے تاہم ان تمام احادیث میں جن میں جمع کا ذکر وارد ہے جمع صوری ہی مراد لینا اور جمع تقدیم و تاخیر کا سرے سے انکار کرنا غلط ہے۔ کیونکہ جمع تقدیم و تاخیر کا ذکر اوپر کئی ایک احادیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ جمع بین الصلواتین

کے قائل ہیں۔ (ترمذی: ج ۱ ص ۲۔ نیل الاوطار: ج ۳ ص ۲۴۲)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مسافر کے لئے جمع بین الصلواتین کے قائل نہیں

ہیں۔ وہ فرماتے ہیں سفر حج میں حاجی کے لئے صرف دو مقامات پر نماز جمع کرنی جائز ہے۔ ایک ظہر و عصر کی جمع تقدیم عرفہ میں اور دوسری مغرب و عشاء کی جمع تاخیر مزدلفہ



میں۔ باقی کسی اور مقام میں دو نمازوں کا جمع کرنا صحیح نہیں سمجھتے۔ جن احادیث میں جمع تقدیم و تاخیر کا ذکر آیا ہے ان کی وہ جمع صوری کہہ کر تاویل کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ امام صاحب کی یہ تاویل ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ اوپر تحریر کردہ احادیث میں جمع تقدیم و تاخیر کی صراحت آچکی ہے، جن میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔  
امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَلَهُ الْجَمْعُ تَقْدِيمًا وَتَاخِيرًا“ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۵)

(الدر البیہ شرح الروضہ الندیہ: ص ۱۰۱) یعنی مسافر کے لئے دونوں طرح کی جمع کرنی جائز ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَوَتَيْنِ بَعْدَ السَّفَرِ مِنَ الْأُمُورِ الْمَشْهُورَةِ الْمُسْتَعْمَلَةِ  
فِيمَا بَيْنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ“ (فقد النسخ ج ۲ ص ۲۲۶)

سفر کی وجہ سے دو نمازیں جمع کرنا یہ ان مشہور مسائل میں سے ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان بہا معمول ہیں۔

ویسے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جمع بین الصلوٰتین کے قائل و فاعل ہیں مگر خصوصاً وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو جمع بین الصلوٰتین کی روایات کے راوی بھی ہیں وہ پندرہ ہیں اور یہ روایات بخاری و مسلم سمیت تیرہ کتب احادیث میں موجود ہیں۔ (معیار الحق از میاں صاحب: ص ۲۱۲، ۲۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى جَوَازِ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ  
الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي وَقْتِ إِحْدَاهُمَا“ (السنی شرح موطا ج ۱ ص ۱۳۲)

اکثر اہل علم کا یہی مسلک ہے کہ سفر میں جمع تقدیم و تاخیر دونوں طرح جائز ہے۔

محقق شہیر مولانا وحید الزماں رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَيُسْنَى لَهُ الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَوَتَيْنِ تَقْدِيمًا وَتَاخِيرًا“ (کنز الحقائق: ص ۳۵)

”مسافر کے لئے دو نمازوں کا جمع کرنا دونوں طرح جائز ہے۔“

مصر کے مشہور محقق سید سابق فرماتے ہیں:

”يَحْذَرُ الْمُصَلِّي أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ تَقْدِيمًا وَتَأْخِيرًا وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ كَذَلِكَ“ (فقدانہ: ص ۲۸۸ ج ۱)

امام طحاوی متعصب حنفی ہیں اور احادیث صحیحہ کی بے جاتاویلات کر کے ان کو حنفی مسلک کے مطابق بنانے میں وہ ید طولی رکھتے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ زیر بحث میں بھی انہوں نے اپنی کتاب ”معانی الآثار“ میں بہت لمبی بحث کی ہے اور ان تمام احادیث کی جن میں جمع حقیقی کا ذکر ہے جمع صوری کہہ کر تاویل کی ہے۔ جس پر منصف مزاج حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی علامہ طحاوی کی اس بے انصافی کا سخت تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

جمع بین الصلواتین کی تمام روایات کو اگر جمع صوری پر محمول کیا جائے جیسا کہ علامہ طحاوی کا خیال ہے تو پھر مجھے سمجھ نہیں آتی کہ علامہ طحاوی ان روایات کا کیا جواب دیں گے جن میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ پہلی نماز کا پورا وقت گزر جانے کے بعد اس کو دوسری نماز کے وقت میں جمع کیا۔ اور پھر یہ تمام روایات ہیں بھی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور دوسری معتبر کتب احادیث کی جن کی صحت میں بھی کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے بعد مولانا لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پورے شد و مد سے علمائے احناف کی ان تاویلات کی بھی تردید کی ہے جو انہوں نے صحیح احادیث کو رد کرنے کے سلسلہ میں اختیار کی ہیں۔ (العلق المجید: ص ۱۳۱)

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجود حنفی ہونے کے بے شمار مسائل میں حنفیت کو بالائے طاق رکھ کر صحیح احادیث کو اختیار کرتے ہوئے احقاق حق کا خوب حق ادا کیا ہے۔

جمع صوری پر علماء کے اعتراضات:

جمع صوری پر علماء نے سخت اعتراضات بھی کئے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جمع صوری میں جب یہ ضروری ہے کہ پہلی نماز کو ایسے وقت میں شروع کیا جائے کہ اس کے ختم ہوتے اور سلام پھیرتے ہی دوسری نماز کا وقت آجائے تو اس طرح جمع کرنے والے کے لئے یہ دشواری ہے کہ اس کو انتظار کرنا اور یہ امتیاز کرنا کہ پہلی نماز سے سلام پھیرتے ہی دوسرا وقت قطعی طور پر شروع ہو جائے ظاہر ہے کہ عوام تو عوام بہت سے خواص کو بھی اسی طرح اول آخروقت کا امتیاز کر سکتا خیلے دشوار و مشکل امر ہے۔

(اعلام الموقعین: ج ۲، ص ۱۴)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ جمع صوری ظاہر کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضعیف یا باطل ہے۔

(شرح مسلم: ج ۱، ص ۲۴۶)

امام خطابی اور امام زرقانی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات نے بھی اس جمع کو باطل اور مقصود شرع کے منافی قرار دیا ہے۔ (رزقانی: ج ۱، ص ۲۶۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حمل احادیث بر جمع صوری تاویل بعید است ہے کہ تمغلیہ اور تعلیط صحابہ رضی اللہ عنہم سے کشف۔ (مصنفی شرح موطا: ج ۱، ص ۱۴۷)

تمام احادیث سے جمع صوری مراد لینا صحابہ کرام کے فہم و درایت و روایت کو یکسر غلط قرار دینا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”زاد المعاد“ میں جمع صوری کی پوری تردید فرما کر جمع معنوی پر ایک مفصل بحث سپرد قلم کی ہے۔  
حضرت میں جمع کرنا:

جس طرح سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی مندرجہ ذیل اعذار کی بناء پر جمع کرنا جائز ہے:

(۱) بارش۔ (۲) مرض۔

(۳) خوف۔ (۴) ضرورت و حاجت کے وقت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَتَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ

فَقَالَ أَيُّوبُ لَعَلَّهُ فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ؟ قَالَ: عَسَى)) (بخاری: ج ۱ ص ۷۷)

”رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں سات رکعتیں (ایک ساتھ) اور آٹھ رکعتیں

(ایک ساتھ) پڑھیں، ظہر عصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب و عشاء کی سات رکعتیں۔

ایوب سختیانی نے جابر بن زید سے پوچھا شاید اس رات بارش تھی؟ جابر بن زید نے

جواب دیا کہ غالباً ایسا ہی ہوگا۔“

جابر بن زید کا یہ ایک احتمالی قول ہے یقینی نہیں، کیونکہ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں

((مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ)) کے الفاظ بھی صاف آگئے ہیں کہ نہ بارش تھی نہ کوئی

خوف۔ (مسلم: ج ۱ ص ۲۴۶۔ ترمذی: ج ۱ ص ۲۶)

### اشکال:

مذکورہ حدیث پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر جن اعذار کی بناء پر جمع کرنا ممکن

ہو سکتا ہے ان کی توفیق کی گئی ہے تو پھر جمع کرنے کا سبب کیا تھا؟ اس کے جواب میں علماء

کے کئی اقوال ہیں۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ جمع صوری تھی۔ یہ رائے حافظ ابن حجر، امام شوکانی اور

علامہ حافظ عبد الرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جمع حقیقی تھی۔ حضرت میں بھی جمع حقیقی جائز ہے بشرطیکہ کبھی

کبھی ہو ہمیشہ کی عادت نہ ہو۔ گو حضرت میں بلا عذر جمع کرنا منع ہے لیکن کسی ضروری کام کی

وجہ سے اتفاقاً دیر ہو گئی ہو تو ایسے موقع پر جمع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ائمہ کی ایک جماعت نے اس حدیث کے ظاہر پر ہی فتویٰ دیا ہے اور حضرت میں مطلقاً

جائز رکھا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسے عادت نہ بنایا جائے۔ ابن سیرین، ربیعہ،

ابن منذر فقال کبیر کا یہی فتویٰ ہے۔ اور علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیث کی

ایک جماعت سے یہی مسلک نقل کیا ہے۔ (فتح الباری: ج ۲، ص ۱۶۴)

ترمذی اور مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جمع کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے یہ جمع اس لئے کی کہ آپ کی امت کو تکلیف نہ ہو۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر وعظ کرنا شروع کیا، مسائل و احکام بیان کرتے کرتے دیر ہو گئی، نجوم دکھائی دینے لگے، پھر جب وعظ ختم کیا تو مغرب کی نماز عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھی۔

(مسلم: ج ۱، ص ۲۴۶)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مراد مطلق جمع ہے نہ کہ جمع صوری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ بصرہ میں انہوں نے کسی شغل کی وجہ سے نماز جمع کی اور کہا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ (نسائی: ج ۱، ص ۶۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

آپ نے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا۔ وجہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ میری امت پر حرج یعنی تنگی و پریشانی نہ ہو۔ لہذا ثابت ہوا کہ ارادہ دفع حرج جمع صوری پر حمل کرنے میں قادح ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ جمع علت مرض کی بناء پر تھی۔ مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اگر مریض ہونے کی وجہ سے جمع کی تھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کس بناء پر آپ کے پیچھے جمع کی تھی؟ وہ تو مریض نہ تھے۔ ان کی جمع فہم میں نہیں آتی۔

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ یہ جمع آپ نے بارش کی وجہ سے کی تھی جیسا کہ حضرت جابر بن زید اور امام مالک کا خیال ہے۔ اور جن احادیث میں بارش کی نفی آتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بارش بہت زیادہ نہ تھی۔

(۵) پانچواں قول یہ ہے کہ یہ جمع کی شکل دراصل اتفاقاً پیدا ہو گئی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ اس روز بادل چھائے ہوئے تھے آپ کو ٹائم کا اندازہ نہ ہو سکا، چنانچہ اس روز آپ نے ظہر کی نماز لیٹ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو بادل چھٹ گئے، تو معلوم ہوا کہ عصر کا وقت

بھی ہو گیا ہے تو آپ نے عصر کی نماز بھی اسی وقت پڑھ لی۔  
 اس تو جیہہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اتفاقیہ شکل اگر ظہر اور عصر میں پیدا ہو گئی  
 تھی تو مغرب اور عشاء میں تو یہ اتفاقیہ شکل نہ تھی، پھر آپ نے کیوں جمع کی؟ لہذا یہ تو جیہہ  
 قابل التفات نہیں ہے۔ (نیل الاوطار: ج ۳، ص ۲۱۶)  
**خلاصہ بحث:**

مذکورہ پانچ مذاہب میں سے پہلا مسلک زیادہ رائج معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس  
 میں بلا عذر کسی نماز کو اس کے وقت سے نکالنا لازم نہیں آتا۔  
**بارش کی وجہ سے جمع کرنا:**

بارش بھی ایک ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے جمع بین الصلواتین جائز ہے۔ موطا امام  
 مالک میں ہے کہ بارش میں جب امیر مغرب وعشاء جمع کرتا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی  
 اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ جمع کر لیتے۔ (موطا: ص ۵۱)

اثرم نے اپنی سنن میں ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ  
 جب بارش ہو تو مغرب وعشاء جمع کر لی جائے۔ (فداء السنہ: ج ۱، ص ۲۹۰)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:  
 کہ مقیم بارش کی وجہ سے صرف جمع تقدیم کر سکتا ہے بشرطیکہ پہلی نماز کی تکبیر تحریر  
 سے لے کر دوسری نماز کی تکبیر تحریر یہ کہنے تک بارش جاری رہے۔  
 امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کہ بارش کے عذر کی بناء پر ظہر عصر جمع کرنی تو مکروہ ہے البتہ مغرب وعشاء کی جمع  
 تقدیم مسجد میں جائز ہے جب کہ بارش ہو رہی ہو یا متوقع ہو یا راستہ تاریک ہو اور کچھ  
 وغیرہ بہت ہو جس پر جوتے سمیت چلتا دشوار ہو تو ایسی صورت میں بھی جمع جائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:  
 بر فباری، کچھ شدید سردی یا اس قدر بارش ہو جس سے کپڑے بھیگ جائیں تو  
 ایسے تمام عذروں کی بناء پر صرف مغرب وعشاء کی جمع تقدیم و تاخیر دونوں طرح اس شخص

کے لئے جائز ہے جس کے گھر سے مسجد دور ہو اور اس کو مسجد میں جانے میں تکلیف محسوس ہوتی ہو۔ لیکن جو لوگ مسجد میں ہی ہوں یا مسجد ان کے گھر کے قریب ہو یا گھر میں باجماعت پڑھتے ہوں تو ان کو جمع کی اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ: ج ۱ ص ۲۹۱)

**مرض کی بناء پر جمع کرنا:**

امام احمد بن حنبل، قاضی حسین، امام خطابی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر علماء کے نزدیک مریض کے لئے بھی اجازت ہے کہ وہ جمع تقدیم و تاخیر کے ساتھ دو نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو من حیث الدلیل قوی قرار دیا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک زیادہ وسعت والا ہے۔ ان کے نزدیک مندرجہ ذیل حضرات بھی جمع کی سہولت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں:

(۱) دودھ پلانے والی عورت کہ جب بچے کے پیشاب کی وجہ سے بار بار کپڑا دھونے کی تکلیف ہو۔

(۲) مستحاضہ عورت۔

(۳) سلس البول کی بیماری والا آدمی۔

(۴) جس کی طہارت ٹھہر نہیں سکتی۔

(۵) نابالغی۔ (فتاویٰ: ج ۱ ص ۲۹۱)

www.KitaboSunnat.com



## تیمم کی تعریف اور اس کی ضرورت

تیمم ”آم“ سے باب تفعّل ہے۔ از روئے لغت اس کے معنی قصد و ارادہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں بغرض طہارت ہاتھ اور چہرے کے مسح کے لئے پاک مٹی کا قصد کرنا تیمم کہلاتا ہے۔

نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی ۲۳ گھنٹوں میں پانچ بار ضرور کرنی ہے اور اس کے لئے طہارت کی شرط ہے۔ طہارت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی موجود ہے تو انسان آسانی سے اس کے استعمال سے پاکی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر پانی میسر نہ آئے یا پانی موجود ہو لیکن کسی عذر کے سبب اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو پاکی اور طہارت حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ نماز تو بغیر طہارت کے ادا نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں دو ہی کام کئے جاسکتے تھے یا تو یہ کہ نماز ترک کر دیں یا بغیر وضو نماز کی ادائیگی کی اجازت دیں۔ لیکن دونوں صورتیں نادرست تھیں۔ نہ تو نماز کسی حال میں ترک کی جا سکتی ہے اور نہ ہی بغیر وضو ادائیگی کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ ((لَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لِّكَسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ)) ”اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہ ہو“۔ تو ایسی صورت میں ضروری قرار پایا کہ وضو بغیر پانی کے نہیں کیا جاسکتا لیکن کوئی صورت ایسی ضرور ہونی چاہئے جو مجبوری کی حالت میں وضو کے قائم مقام ہو سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل کر کے تیمم کو وضو کے قائم مقام کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وضو و طہارت کے لئے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام کر دیا جو پانی سے زیادہ سہل الحصول ہے اور ظاہر ہے کہ زمین اور مٹی ہر جگہ موجود ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سہولت صرف امت محمدیہ کو خصوصی طور پر عطا کی گئی ہے۔



جیسے ایک حدیث میں ہے کہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ (۱) دشمنوں کے مقابلہ پر ایک ماہ کی مسافت تک میرا رب ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے۔ (۲) اور تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکی حاصل کرنے کے لائق بنا دی گئی ہے۔ میری امت میں سے جو شخص بھی جس جگہ نماز پائے وہیں نماز ادا کرے۔ (۳) اور میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا۔ (۴) اور مجھے شفاعت کبریٰ دی گئی ہے۔ (۵) اور مجھ سے پہلے نبی کو خاص قوم میں بھیجا جاتا تھا جب کہ مجھے تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ (بخاری کتاب التیمم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہارگم ہونے کا واقعہ اور نزول آیت تیمم:

بخاری "کتاب التیمم" میں حدیث ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کسی سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھی کہ مقام ذات الحوش یا مقام بیداء میں پہنچ کر میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر پڑا جس کی تلاش کے لئے وہاں قیام کرنا پڑ گیا۔ رات کی تاریکی میں ہار کی تلاشی دشوار تھی اس لئے انتظار کیا گیا کہ صبح کی روشنی ظاہر ہو تو ہار تلاش کیا جائے اور جب خود رسول اللہ ﷺ نے قیام کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ٹھہرنا پڑا۔ لیکن یہ مقام ایسا تھا جہاں پانی موجود نہ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھی پانی نہ تھا۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو پریشانی ہوئی کہ نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کا کوئی انتظام نہیں ہے نہ تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پانی ہے اور نہ قریب ہی میں کہیں پانی ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پریشانی یہ ہوئی کہ نماز کی ادائیگی کی کیا صورت ہو؟ چنانچہ اس پریشانی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور شکایت کی کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے کیا ہوا؟ ایسی جگہ رکنا پڑا جہاں پانی نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس شکایت سے تکلیف ہوئی اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شکایت مقصود تھی یا پانی کے انتظام کے بارے میں پوچھنا تھا۔ وہاں صورت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر ؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملامت شروع کر دی کہ تمہاری بے احتیاطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس لٹق و دق میدان میں لوگوں کی نمازیں قضا ہوئے والی ہیں زبان سے بھی ملامت کی اور ہاتھ سے بھی چوکے لگائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چوکے لگنے کے باوجود حرکت اس لئے نہیں کر سکتی تھی کہ میری حرکت سے رسول اللہ ﷺ کی نیند میں خلل ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبالا اور چونکہ معاملہ ایسا تھا جیسے کوئی اجنبی کسی کی غلطی پر تنبیہ کر رہا ہو۔ شفقت اور ابوت کے یہ بات خلاف تھی زبان سے بھی ملامت ہے اور ہاتھ سے بھی طعن ہے۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ”عائبنی ایہی“ نہیں فرمایا بلکہ فرماتی ہیں ”عائبنی ابو بکر“ ابو بکر مجھ پر عتاب فرمانے لگے۔ پھر جب صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی تو پانی نہیں تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ صحابہ کرام ؓ نے تیمم کر کے نماز ادا کی۔ حضرت اسید بن حضیر ؓ جن کو ہار کی تلاش کے لئے مامور کیا گیا تھا فرماتے ہیں کہ خانوادہ صدیق سے برکت کا یہ ظہور کوئی نئی بات نہیں ہے اس خاندان سے ہمیشہ برکتیں ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ برکت ظاہر ہے کہ سخت پریشانی کی صورت تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس ایک مرتبہ کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے مستقل دستور نازل فرما دیا کہ ایسی صورت میں کسی طرح کی کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔ اس واقعہ سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے خواہ سفر کے موقع پر یہ صورت پیش آئے یا حضر میں۔ اب سوال یہ ہے کہ واقعہ کس سفر سے متعلق ہے؟ ہار گم ہونے کا واقعہ صرف ایک بار پیش آیا یا دوبار اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول: ((فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ التِّيمُمِ)) سے کون سی آیت مراد ہے؟ آیت سورہ نساء یا آیت سورہ مائدہ؟ ان سب چیزوں پر مفصل کلام ملاحظہ فرمائیں۔

آیت تیمم کس سفر سے متعلق ہے؟

بخاری کی مذکورہ روایت سے صرف اس قدر معلوم ہوا کہ ہار گم ہونے کے بعد سفر میں

تیم کا حکم نازل ہوا۔ دوسری روایات سے اتنی بات ملے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار دو بارگم ہوا ہے۔ اب یہ بات کہ ایک ہی سفر میں دو بارگم ہوا ہو قیاس سے بعید ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ہار دو بارگم ہوا اور دو سفر میں ہوا۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف روایات جو منقول ہوئی ہیں ان سے یہ بات پورے طور سے معلوم ہو رہی ہے کہ واقعات الگ الگ دو ہیں۔ غزوہ بنی المصطلق میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہار تھا۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ لشکر کوچ کرے اور مجھے قضائے حاجت کا تقاضا تھا۔ چنانچہ میں لشکر سے باہر چلی گئی۔ فارغ ہو کر آئی تو اتفاق سے ہاتھ سینہ پر لگا یا تو پتہ چلا کہ حضرت اسماء کا مستعار ہار جو میرے پاس تھا نہیں ہے۔ اسی فکر میں کل گئی ہار تو تلاش کر کے لے آئی لیکن جب واپس پہنچی تو لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ ایک واقعہ تو یہ ہے۔ یہ واقعہ راجع قول کے مطابق مرثع غزوہ بنی المصطلق کا ہے۔

دوسرا واقعہ جو اس روایت میں ہے اس کے برعکس ہے۔ اس واقعہ میں موجود ہے کہ ہارگم ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تلاش کے لئے نہیں گئیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہار کی تلاش کے لئے قیام فرمایا اور ہار کی تلاش کی گئی۔ دونوں واقعات مختلف ہیں۔ وہاں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہار تلاش کیا۔ یہاں خود رسول اللہ ﷺ نے ہار تلاش کروایا۔ وہاں لشکر کوچ کر گیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تنہا رہ گئی تھیں۔ جبکہ یہاں سب لوگوں کو ہار کی تلاش کے سبب رکنا پڑا۔ اس لئے یہ کہنا کہ واقعہ ایک ہے روایات کے خلاف ہے۔ خود طبرانی میں عباد بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت موجود ہے:

((قَالَتْ لَمَّا كَانَ مِنْ أَمْرِ عِفْدَى مَا كَانَ وَقَالَ لَعَلَّ الْإِنْفَكَ مَا قَالُوا عَزَّوَجَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ أُخْرَى فَسَقَطَ أَيْضاً عِفْدَى حَتَّى حَلَسَ النَّاسُ عَلَى الْيَمَامَةِ فَقَالَ لِي أَبُو بَكْرٍ يَا نَبِيَّةُ فِي كُلِّ سَفَرَةٍ تَكُونِينَ عَنَاءً وَبَلَاءً عَلَى النَّاسِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ الرُّخَصَةَ فِي التَّيْمَمِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ لَمُبَارَكَةٌ ثَلَاثًا)) (بحوالہ فتح الباری: ج ۱ ص ۴۳۵)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے ہارگم ہونے کا واقعہ پیش آیا اور بہتان لگانے والوں نے جو چاہا کہا پھر اس کے بعد میں دوبارہ دوسرے غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی اور پھر دوبارہ میرا ہارگم ہو گیا اور لوگوں کو اس کی تلاش کے لئے رکنا پڑا۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بیٹی! تو ہر سفر میں لوگوں کے لئے مصیبت اور مشقت کا سبب بن جاتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت نازل فرمائی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تین بار فرمایا تو بڑی ہارکت ہے۔“

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہار دو بارگم ہوا اور تیمم کی یہ آیت ہارگم ہونے کے دوسرے واقعہ سے متعلق ہے جو اکف کے واقعہ کے بعد ہے۔ اسی لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹی! تم ہر سفر میں مسلمانوں کے لئے مشکل اور مشقت کا سبب بن جاتی ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ اکف کا واقعہ غزوہ بنی المصطلق سے متعلق ہے جس کو غزوہ مریسج بھی کہتے ہیں یا کوئی دوسرا واقعہ ہے جو اکف کے بعد پیش آیا ہے، کون سے سفر سے متعلق ہوگا؟

ابن حبیب اور بعض دوسرے مورخین کے نزدیک اس واقعہ کا تعلق غزوہ ذات الرقاع سے ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کی آخری تاریخ شعبان ۶ ہجری ہے۔ اس سے آگے کی تاریخ کسی مورخ نے بیان نہیں کی۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت منقول ہے کہ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو کہا ”لَمْ أَذْكَئِفْ أَصْنَعُ“ میں نہیں جانتا تھا کہ تیمم کا عمل کس طرح کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت تیمم کے نزول کے واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شریک تھے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خیبر میں حاضر ہوئے ہیں۔ جس کا شمار ۷ھ کے غزوات میں ہے۔ پھر جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شریک ہیں اور غزوہ بنی المصطلق کی آخری تاریخ شعبان ۶ھ سے متجاوز نہیں تو اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شرکت کیسے ہو سکتی ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شرکت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ((وَحَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ أُخْرَى)) کہ میں دوسرے سفر میں سرکارِ دو

عالم کے ساتھ گئی۔ ان دو باتوں سے یہ بات رائج معلوم ہوتی ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا ہے۔ نیز حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ذات الرقاع میں شرکت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب المغازی کے باب غزوہ ذات الرقاع میں لکھا ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا ہے۔

### آیت تہتم سے کیا مراد ہے؟

بخاری کی مذکورہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نزول آیت التہتم کا ذکر فرمایا ہے چونکہ تہتم کا حکم قرآن میں دو جگہ آیا ہے ایک سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۳ میں دوسرے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶ میں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس موقع پر کون سی آیت نازل ہوئی ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ اس موقع پر سورہ مائدہ والی آیت نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں ان میں ”مِنْتُهُ“ ہے اور ”مِنْتُهُ“ مائدہ میں ہے سورہ نساء میں نہیں ہے۔

چنانچہ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی تفسیر میں عمرو بن الحارث کے طریق سے اسی سورہ مائدہ والی آیت کو نقل کیا ہے اور مسند حمیدی (ص ۸۸ ج ۱) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اسی طرح منقول ہے۔ اکثر مفسرین نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے اگرچہ واحدی بخوی اور ابن کثیر کی رائے اس سے مختلف ہے۔ واللہ اعلم بظاہر یہی رائج ہے کہ اس واقعہ سے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے وہ سورہ مائدہ کی ہے سورہ نساء کی نہیں۔

لیکن ابن عربی کہتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں سے کون سی آیت اس موقع پر نازل ہوئی اس کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ایسی مشکل ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ کیونکہ ہم یہ معلوم نہ کر سکے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کون سی آیت کا ارادہ فرمایا ہے۔ علامہ ابن بطلال نے بھی تردید کیا کہ وہ آیت سورہ نساء کی ہے یا سورہ مائدہ کی ہے۔ علامہ سفاقی نے بھی تردید ظاہر کیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْأَ إِلَّا غَيْرُ سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَا مَسْتَعْمِلَ لِنِسَاءٍ فَلَمَّ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾

اس آیت مبارکہ میں تصریح نہیں ہے کہ جنابت کی صورت میں بھی تیمم کیا جاسکتا ہے بلکہ ایک درجہ میں وہم بھی پیدا ہوتا ہے کہ جنبی کو بہر صورت غسل ہی کی ضرورت ہے۔ ﴿وَلَا جُنَاۗءَ اِلَّا عَلٰی رِءُوسِنَا۟ حَتّٰی تَغْتَسِلُوۡا﴾ اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسافر کے علاوہ جنابت کی صورت میں غسل کے بغیر نماز کے قریب جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ﴿حَتّٰی تَغْتَسِلُوۡا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ احسان ضروری ہے صرف مسافر مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ

ابوداؤد ج ۱ ص ۵۱ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی سفر میں ساتھ ہو گئے۔ روایت میں تصریح ہے کہ دونوں کو غسل کی ضرورت ہو گئی تو سوال یہ پیدا ہوا کہ پانی نہیں ہے تو نماز کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے تو تیمم جنابت کو تیمم حدیث پر قیاس کیا اور زمین پر لوٹ لگا کر نماز پڑھی لی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کو مؤخر فرمادیا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ تیمم کے سلسلہ میں آیت نساء ان حضرات کے سامنے تھی لیکن چونکہ اس میں جنابت کے بارے میں کوئی تصریح نہیں تھی اس لئے ان حضرات کو دشواری ہوئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے قیاس سے کام لیا کہ تیمم کے معاملہ یہ بات معلوم ہوئی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی سے پانی کا کام لیا جاسکتا ہے۔ اس لئے تیمم جنابت میں وہی ہوگا جو غسل جنابت ہوتا ہے۔ وہاں سارے بدن پر پانی پہنچانا ضروری ہے اور یہاں سارے بدن پر مٹی پہنچائی جائے گی۔ پھر اس کے بعد سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ اگر تم جنبی ہو تو طہارت حاصل کرو۔ پھر آگے طہارت کی تفصیل بیان کی کہ اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو یا کوئی شخص قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہے یا عورتوں کے پاس گئے ہو اور ایسی صورتوں میں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ جنابت کی صورت میں بھی تیمم کی اجازت ہے اور طریقہ تیمم بھی وہی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت کو نزول کے اعتبار سے مقدم مانیں تو اس صورت میں اشکال یہ تھا کہ جب سورہ مائدہ میں تیمم کے حکم کی پوری تفصیلات آ گئیں تو سورہ نساء میں دوبارہ اس آیت کے نزول کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا حال یہ ہے کہ واقعاً تیمم اور اس کی تفصیلات تو سورہ مائدہ میں آ گئیں لیکن جب سورہ نساء میں دوسرا سیاق شروع ہوا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِينَ سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا﴾ تو اس آیت میں اگر ﴿حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا﴾ ہی پر آیت کو ختم کر دیا جاتا تو شبہ گزر سکتا تھا کہ شاید سورہ مائدہ میں بیان کیا گیا تیمم کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہاں جنابت کے بعد

صرف ﴿وَقَتِّلُوا﴾ لایا گیا ہے کہ غسل کے بغیر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے تیمم کی آیت دوبارہ پھر تاکید کے لئے نازل کر دی گئی کہ جنابت سے پاکی کا طریقہ غسل ہے لیکن اگر پانی میسر نہ ہو یا پانی میسر ہو لیکن استعمال پر قدرت نہ ہو مثلاً یہ کہ تم مریض ہو تو اس صورت میں تیمم سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔

سورہ مائدہ کی آیت میں اگرچہ طہارت کی تمام صورتوں کو جمع کر دیا گیا ہے مگر جو بات اس سلسلہ میں نئی بتلائی گئی ہے وہ مسئلہ تیمم ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام آیت تیمم ہوا برخلاف سورہ نساء والی آیت کے کہ وہاں غیر طہارت کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا یعنی مسئلہ طہارت از جملہ شرائط صلوٰۃ ہے بدوں طہارت نماز صحیح نہ ہوگی۔ گویا وہاں طہارت کی مشروعیت پر تنبیہ تھی تو نساء میں اس کی ضرورت اور شرطیت پر زور دیا گیا ہے۔ پھر نساء والی آیت کا تعلق مسئلہ جنابت سے ہے جیسا کہ اس کے شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے اور آیت مائدہ میں معاملہ تیمم محدث بحديث اصغر سے متعلق ہے۔ چنانچہ واقعہ کی تفصیل جو روایات میں موجود ہے اس کا بین ثبوت ہے۔ اس سے ابن اعرابی کے ”لابنحل“ اشکال کا جواب بھی ہو گیا اور اس بارے میں تکرار آیت کی ضرورت بھی واضح ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب (ایضاح البخاری)۔

**طریقہ تیمم:**

تیمم کے طریقہ میں دو مسئلے مختلف فیہ ہیں۔ ایک یہ کہ تیمم میں کتنی ضربیں ہیں؟ دوسرے یہ کہ مسح الیدین کہاں تک ہے؟

پہلے مسئلہ میں علمائے کرام نے پانچ مذاہب نقل کئے ہیں:

(۱) امام احمد، اسحاق، ابن منذر، عطاء، کحول، اوزاعی اور اکثر محدثین (اہل حدیث) کے نزدیک ایک ہی ضرب ہے جس سے وجہ اور یدین دونوں کا مسح کیا جائے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہوں گی، ایک وجہ کے لئے اور دوسری یدین کے لئے۔



- (۳) حضرت حسن بصری اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ دو ضربیں ہوں گی۔ لیکن اس طرح کہ ہر ضرب میں وجہ اور یدین دونوں کا مسح کیا جائے گا۔
- (۴) محمد بن سیرین کا مسلک یہ ہے کہ چار ضربیں ہوں گی ایک وجہ کے لئے، دوسری یدین کے لئے، تیسری دونوں کے لئے۔
- (۵) ابن بزبزہ کا مسلک یہ ہے کہ چار ضربیں ہوں گی۔ دو وجہ اور دو یدین کے لئے۔

دوسرا اختلاف مقدار مسح الیدین میں ہے اور اس میں چار مذاہب ہیں:

- ۱- صرف رشتین تک مسح واجب ہے۔ یہ امام احمد، اسحاق بن راہویہ، امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ اور اہل طواہر کا مسلک ہے۔
- ۲- مرفقین تک مسح واجب ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور لیف بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔
- ۳- رشتین تک واجب ہے اور مرفقین تک مسنون۔ علامہ ابن رشد نے اسے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت قرار دیا ہے اور علامہ زرقانی نے اسے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک قرار دیا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تطبیق بین الروایات کا بہترین طریقہ ہے۔

۴- علامہ ابن شہاب زہری کا مسلک یہ ہے کہ یدین کا تیمم مناکب و آباط تک ہوگا۔ لیکن دراصل بنیادی اختلاف دونوں مسکوں میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک تیمم میں صرف ایک ضرب ہے۔ اور یدین کا مسح رشتین تک ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو ضربیں ہیں۔ اور یدین کا مسح مرفقین تک ہے۔ ذیل میں فریقین کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

ایک ضرب کے قائلین کے دلائل:

امام احمد بن حنبل اور جمہور محدثین کا استدلال حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی

حدیث سے ہے جس سے ایک ضرب اور صرف مسح الرغین (گھٹنوں کا مسح) کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”باب التیمم ضربیہ“ (تیمم میں صرف ایک ضرب ہے) کے تحت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

((إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً))

(بخاری: ج ۱ ص ۵۰)

”تم کو صرف ایسا کر لینا کافی تھا اور آپ نے چہرے اور ہاتھوں کا ایک بار مسح کیا۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تیمم کی کیفیت میں جتنی بھی احادیث آئی ہیں ان میں سے صرف دو حدیثیں صحیح ہیں۔ ایک ابو جہم رضی اللہ عنہ کی حدیث اور دوسری حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی۔ ان کے علاوہ جتنی بھی احادیث ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا ان کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ مرفوع نہیں ہیں۔ ابو جہم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو مجمل ہاتھوں کا ذکر ہے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیحین میں ہے اس میں صرف ہتھیلیوں کا ذکر ہے۔ اور باقی سنن میں کہنیوں تک کا ذکر ملتا ہے۔ اور ایک روایت میں نصف ذراع (کلائی) اور دوسری میں آباط (بغلوں) تک مسح کرنے کا ذکر آیا ہے۔ مرفقین اور نصف ذراع کی روایات صحیح نہیں ہیں۔ بغلوں تک جس روایت میں ذکر آیا ہے اس کے متعلق بقول امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو احتمال ہیں۔ اگر یہ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوا ہے تو بعد کی صفت تیمم جو آپ سے ثابت ہے وہ اس پہلی کے لئے ناخ ہو جائے گی۔ اگر یہ آپ کے امر کے بغیر ہوا ہے تو یہ لائق التفات ہی نہیں۔ کیونکہ دلیل وجہ وہی بن سکتی ہے جس کا آپ نے حکم فرمایا۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی صحیحین والی روایت جس میں ایک ضرب کا ذکر ہے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ آنحضرت رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد بھی تیمم میں ایک ضرب اور مسح رخ ووجہ کا ہی فتویٰ دیتے رہے ہیں۔ اور راوی حدیث خاص کر جب کہ وہ مجتہد صحابی ہو وہ اپنی روایت کردہ حدیث کی مراد کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔ (فتح الباری: ج ۱ ص ۴۶۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث عمار رضی اللہ عنہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”حَدَّثَنَا عُمَارُ حَدِيثَ حَسَنٍ صَحِيحٍ وَقَدْ رَوَى عَنْ عُمَارٍ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْهُمْ عَلِيُّ وَعُمَارُ وَابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ التَّابِعِينَ مِنْهُمْ الشَّعْبِيُّ وَعَطَاءٌ وَمَكْحُولٌ قَالُوا التَّيْمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَاسْحَاقُ“ (جامع ترمذی مع تفتہ الاخروی: ج ۱ ص ۱۳۳)

”حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور ان سے کئی سندوں سے مروی ہے۔ یہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ انہی میں حضرت علی، عمار، ابن عباس رضی اللہ عنہ، عطاء اور مکحول وغیرہ ہیں۔ یہ سب ہی کہتے ہیں کہ تیمم میں چہرہ اور کفین کے لئے صرف ایک ہی ضرب ہے۔ یہی مسلک امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے تحت لکھتے ہیں:

”وَالْحَدِيثُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ التَّيْمُ ضَرْبَةٌ وَاحِدَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔“ (نیل الاوطار: ج ۱ ص ۲۶۳)

”حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تیمم میں صرف ایک ہی ضرب ہے۔ یہی مسلک تمام محدثین کا ہے۔“

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”الْمَسْنُونُ عِنْدَ أَحْمَدَ التَّيْمُ بِضَرْبَةٍ۔“ (المغنی: ج ۱ ص ۲۳۵)

”امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیمم میں ایک ہی ضرب مسنون ہے۔“

اثرم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”قُلْتُ لِأَبْنِ عَبْدِ اللَّهِ التَّيْمُ ضَرْبَةٌ وَاحِدَةٌ؟ فَقَالَ نَعَمْ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ وَمَنْ قَالَ ضَرْبَتَيْنِ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ زَادَهُ۔“ (مغنی: ج ۱ ص ۲۳۵)

”میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کیا تیمم میں ایک ہی ضرب ہے؟ تو

انہوں نے کہا ہاں چہرے اور ہاتھوں کے لئے ایک ہی ضرب ہے اور جس نے دو ضرب کہا ہے اس نے اپنی رائے سے کہا ہے۔“  
مرعاة (ج ۱، ص ۳۳۶) میں ہے:

”وَالْحَدِيثُ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ يَكْفِي فِي التَّيْمُمِ ضَرْبَةٌ وَاحِدَةٌ وَيَكْفِي فِي الْيَدَيْنِ مَسْحٌ الْكُفَّيْنِ وَأَنَّ الْآيَةَ مُحْتَمَلَةٌ بَيْنَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ بِإِقْتِصَارٍ عَلَى الْكُفَّيْنِ وَالْإِكْتِفَاءِ بِالضَّرْبَةِ الْوَاحِدَةِ وَيَمَسُّحُ الرَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرُ الْكُفَّيْنِ هُوَ مَذْهَبُ جَمْعِهِمُ الْعُلَمَاءِ وَأَهْلِ الْحَدِيثِ عَمَلًا بِحَدِيثِ عَمَارٍ هَذَا فَإِنَّهُ أَصَحُّ حَدِيثٍ فِي الْبَابِ كَمَا أَقْرَبَهُ التَّوْرِيشِيُّ وَالْحَطَّابِيُّ وَابْنُ دَقِيقِ الْعِيدِ وَغَيْرُهُمْ۔“ (ج ۱، ص ۳۳۶)

”حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تیمم میں صرف ایک ضرب ہے اور یدین کا مسح رغین تک ہے۔ اور آیت تیمم مجمل تھی جسے آنحضرت ﷺ نے ایک ضرب اور مسح رغین تک اکتفا کر کے اپنے قول و عمل سے اس کی تبيين فرمائی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہی مسلک جمہور علماء اور جملہ محدثین کا ہے کیونکہ یہ حدیث اس مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ جیسے کہ علامہ توریشی، خطابی اور ابن دقیق العید وغیرہ محدثین نے اقرار کیا ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ میں تمام احادیث سے زیادہ صحیح ہے۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”فَالْحَقُّ الْوُقُوفُ عَلَى مَا بَيَّنَّ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ عَمَارٍ مِنْ الْإِقْتِصَارِ عَلَى ضَرْبَةٍ وَاحِدَةٍ“ (نیل الاوطار: ج ۱، ص ۲۶۳)

”تیمم کے باب میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث اصل ہے کیونکہ صحیحین کی حدیث سے زیادہ معتبر کوئی اور حدیث نہیں ہے۔ اور اس میں صرف ایک ہی ضرب کا ذکر ہے۔“

حضرت نواب صدیق الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”قَدْ بَيَّنَّ فِي الْإِحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ أَنَّهُ ﷺ فَعَلَ ذَلِكَ وَعَلَّمَهُ غَيْرُهُ، كَمَا

فِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ حَدِيثِ عَمَّارٍ وَالْحَاصِلُ أَنَّ حَمِيعَ  
الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ لَيْسَ فِيهَا إِلَّا ضَرْبَةٌ وَاحِدَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ  
وَحَمِيعُ مَا وَرَدَ فِي الضَّرْبَتَيْنِ أَوْ كَوْنِ الْمَسْحِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ لَا يَخْلُو مِنْ  
ضَعْفٍ يَسْقُطُ بِهِ عَنْ دَرَجَةِ الْإِعْتِبَارِ وَلَا يَصْلَحُ لِلْعَمَلِ عَلَيْهِ۔“

(السراج الوہاج: ج ۱ ص ۱۳۱)

”صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی تیمم کیا اور دیگر صحابہ کو بھی سکھایا جیسا کہ صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صحیح احادیث میں صرف ایک ہی ضرب ہے اور تمام وہ احادیث جن میں دو ضرب یا کہنیوں تک مسح کرنے کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ضعف سے خالی نہیں جس کی بناء پر وہ قابل اعتبار اور عمل کے لائق نہیں۔“

امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ:

”وَهَذَا الْمَذْهَبُ أَصَحُّ فِي الْإِرْوَاقِ۔“ (معالم السنن: ج ۱ ص ۲۰۲)

”روایت کے لحاظ سے ایک ضرب والوں کا مسلک زیادہ صحیح ہے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”فَإِنَّ أَصَحَّ حَدِيثٍ فِيهِ حَدِيثُ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا الْمُصْرَحُ  
بِأَنَّهُ يُعْزَى ضَرْبَةٌ وَاحِدَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ وَلَيْسَ فِي الْبَابِ حَدِيثُ  
يُعَارِضُهُ مِنْ جَنْبِهِ وَقَدْ أَخَذَ بِهِ فَقَهَاءُ الْحَدِيثِ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ وَهَذَا  
أَصَحُّ مِنْ قَوْلِ مَنْ قَالَ يَحِبُّ ضَرْبَتَانِ وَإِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔“

(القواعد النورانية الفقهية: ص ۳۷۔ فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۲۱ ص ۲۲)

”تیمم کے بارے میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں چہرہ اور ہتھیلیوں کے لئے صرف ایک ہی ضرب کا ذکر ہے سب سے زیادہ صحیح ہے اس درجہ کی کوئی حدیث اس کے معارض نہیں ہے۔ اسی کو فقہائے حدیث امام احمد رحمہ اللہ

تعالیٰ وغیرہ نے لیا ہے اور یہ دوسرے کے قائلین کے قول سے زیادہ صحیح ہے۔“  
شیخ الاسلام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”كَانَ يَتِيمٌ بَصْرِيٌّ وَاحِدٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَيْنِ وَلَمْ يَصِحَّ عَنْهُ أَنَّهُ تَيْمَمَ  
بَصْرَتَيْنِ وَلَا إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: مَنْ قَالَ إِنَّ التَّيْمَمَ إِلَى  
الْمِرْفَقَيْنِ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ زَادَهُ مِنْ عِنْدِهِ“۔ (زاد المعاد: ج ۱ ص ۵۲)

”رسول اللہ ﷺ تیمم کرتے وقت چہرے اور ہتھیلیوں کے لئے صرف ایک ہی دفعہ  
زمین پر ہاتھ مارا کرتے تھے۔ دوسرے یا کہیں تک تیمم کرنا آپ سے ثابت نہیں  
ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص کہیں تک تیمم کرنے کا قائل ہے  
اس نے یہ زیادتی اپنی طرف سے کی ہے۔“

دوسرے مسلک کے دلائل:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
(التَّيْمَمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ)

(دار قطنی: ج ۱ ص ۱۸۰)

”تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ملنا اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر  
دونوں ہاتھوں کو کہیں تک ملنا۔“

یہ روایت اگرچہ مرفوع بیان کی گئی ہے لیکن اس کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ یہی  
بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”بلوغ الرام“ میں لکھی ہے (ص ۲۱)۔ لہذا یہ قول  
صحابی ہے فرمان رسول اللہ ﷺ نہیں۔ نیز اس کی سند میں علی بن ظہیر ایک راوی ہے  
جس کو ابن قطان، یحییٰ بن معین اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔  
(نیل الاوطار: ج ۱ ص ۲۶۳)

(۲) حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت آئی ہے جس میں دوسرے کا ذکر ہے

مگر اس پر بھی امام ابو داؤد نے تنقید کی ہے۔ (ابو داؤد: ج ۱ ص ۵۱)

(۳) دار قطنی اور حاکم میں ایک روایت اس طرح آئی ہے:

((التَّيَمُّمُ ضَرَبَةٌ لِلْوُجْهِ وَضَرَبَةٌ لِلذِّمَارِ عَيْنٌ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ))

(دارقطنی مع تعلیق المغنی: ج ۱ ص ۱۸۱)

”تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک منہ کے لئے دوسری کلائیوں کے لئے کہیں تک۔“

اس روایت کا بھی موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ (دارقطنی: ج ۱ ص ۱۸۱)

امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ احادیث پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وَبِهَذَا يَتَبَيَّنُ لَكَ أَنَّ أَحَادِيثَ الضَّرْبَتَيْنِ لَا تَعْلُو طَرَفَهَا مِنْ مَقَالٍ وَلَوْ صَحَّحَتْ لَكَانَ الْإِخْذُ بِهَا مُتَعَيِّنًا لِمَا فِيهَا مِنَ الزِّيَادَةِ۔“

(نیل الاوطار: ج ۱ ص ۲۲۳)

”مذکورہ بحث سے آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ دو ضرب والی احادیث کی تمام سندیں

تقدید سے محفوظ نہیں ہیں۔ اگر ان کی سندیں صحیح ہوتیں تو ان پر عمل کرنا مستحب ہوتا۔

کیونکہ دوسری روایات کے مقابلہ میں ان میں ایک بات زائد ہے۔“

الغرض اس بارے میں اور بھی کئی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں

ہاتھوں کو دو مرتبہ زمین پر مارنا چاہئے۔ محدثین نے ان تمام احادیث کو سند کے لحاظ سے

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایات کی نسبت کمزور قرار دیا ہے۔ اور جو لوگ دو مرتبہ کے قائل

ہیں وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں

زمین پر ہاتھ مارنے کا طریقہ بتایا ہے نہ کہ پورا تیمم سکھایا ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ:

”وَهَذَا الْمَذْهَبُ أَصَحُّ فِي الرِّوَايَةِ وَالْمَذْهَبُ الْأَوَّلُ أَشْبَهُ بِالْأُصُولِ وَأَصَحُّ

فِي الْقِيَاسِ۔“ (معالم السنن: ج ۱ ص ۲۰۲)

”روایت کے لحاظ سے ایک مرتبہ والوں کا مسلک زیادہ صحیح ہے۔“



## موزوں اور جرابوں کا مسح

موزوں پر مسح کرنے کا جواز:

موزوں پر مسح کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ شیعہ اور خوارج کے سوا اس کے جواز پر پوری امت کا اجماع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

محدثین کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ نبی ﷺ سے موزوں پر مسح کرنا تو اتر سے ثابت ہے۔ بعض محدثین نے اس کے رایوں کی تعداد اسی (۸۰) لکھی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ (فتح الباری: ج ۱۰ ص ۳۰۶)

اس بارے میں سب سے صحیح حدیث حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ انہوں نے پیشاب کرنے کے بعد وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کرنے کے بعد وضو فرمایا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ چونکہ جریر رضی اللہ عنہ سورۃ مائدہ (جس میں وضو کا حکم نازل ہوا تھا) کے بعد اسلام لائے تھے اس لئے لوگ ان کی روایت کو بہت زیادہ معتبر مانتے تھے۔ (مسلم: ج ۱ ص ۱۳۲)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مسح علی الخفین والی حدیث میں نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پڑھی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

موزوں پر مسح کرنا افضل ہے کیونکہ اس کو اہل بدعت خارجی اور رافضی نہیں مانتے اور جس سنت پر عمل کرنے میں مخالفین طعنہ زنی کرتے ہوں اس پر عمل کرنا زیادہ ثواب ہے۔ (فتح الباری: ج ۱)

جرابوں پر مسح کرنے کا جواز:

جرابوں پر مسح کرنا متعدد جلیل القدر صحابہ (جن کی تعداد تیرہ تک پہنچتی ہے) سے ثابت



ہے اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت نہیں ہے ان میں سے کسی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنی جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔ (ابوداؤد: ج ۱ ص ۲۳۔ ترمذی: ج ۱ ص ۱۵۔ ابن ماجہ: ج ۱ ص ۴۲)

(امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے جرابوں پر جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ صرف جوتوں کے ساتھ جرابوں پر مسح کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ صرف موٹی جرابوں پر مسح کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جرابوں پر مسح کرنے کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اپنی وفات سے تین روز پیشتر وہ بھی اس کے جواز کے قائل ہو گئے تھے۔ (معالم السنن للخطابی: ج ۱ ص ۱۴۱) یہی ابو حنیفہ کا مفتی بہ قول ہے۔

(رد المحتار: ج ۱ ص ۲۷۸)

اگر موزوں اور جرابوں میں کچھ سوراخ ہوں لیکن وہ عموماً پہنی جاتی ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔  
امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

مہاجرین و انصار کے موزے بھی عام لوگوں کی طرح سوراخ سے بچے نہیں ہوتے تھے۔ اگر سوراخوں والے موزوں پر مسح ناجائز ہوتا تو روایات میں اس کا ذکر آتا۔

(نقد النسخ: ج ۱ ص ۶۲)

### موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی شرط:

موزوں اور جرابوں پر مسح اس حال میں جائز ہے کہ جب انسان انہیں پہنے تو وہ با وضو ہو۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک رات میں نبی ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے ایک برتن سے آپ ﷺ (کے ہاتھوں) پر پانی ڈالا۔ آپ نے اپنا چہرہ مبارک اور بازو دھوئے اور سر پر مسح فرمایا۔ پھر میں آپ کے موزے اتارنے کے لئے جھکا تو آپ نے فرمایا انہیں رہنے دو میں نے انہیں پاک داخل کیا تھا۔ (بخاری: ج ۱ ص ۳۳۔ مسلم: ج ۱ ص ۱۳۳)

## مسح پاؤں کے کس حصہ پر کیا جائے:

مسح پاؤں کے اوپر کے حصہ پر کرنا چاہئے۔ حضرت علی ؓ سے روایت ہے:

((لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوَّلَى بِالمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَيْهِ)) (ابوداؤد: ج ۱ ص ۲۲)

”اگر دین کا انحصار رائے (قیاس) پر ہوتا تو اوپر کی نسبت پاؤں کے نچلے حصہ پر مسح ہونا چاہئے تھا۔ لیکن میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے پاؤں کے اوپر کے حصہ پر مسح کیا۔“

## مسح کی مدت؟

موزوں اور جراہوں پر مسح کرنے کی مدت مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات۔ حضرت صفوان بن عسال ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نے موزوں کو پاکیزگی کی حالت میں پہنا ہو تو سفر میں ان پر تین دن اور تین رات مسح کریں اور گھر پر ایک دن اور ایک رات۔ اور یہ کہ سوائے جنابت کے کسی اور وجہ سے انہیں نہ اتاریں۔ (ترمذی: ج ۱ ص ۳۳)

نوٹ:- مسح کی مدت کا آغاز کب ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ موزے پہننے کے بعد جب حدث ہو تو اس وقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی۔ لیکن محققان اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ابتداء مسح کرنے کے وقت سے شروع ہوگی۔

وہ چیزیں جن سے مسح ختم ہو جاتا ہے:

اس باب میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں ان کی بناء پر مندرجہ ذیل صورتوں میں مسح ختم ہو جاتا ہے:

- (۱) مسح کی مدت ختم ہو جائے۔
- (۲) جنابت کی حالت میں یعنی جب انسان پر غسل واجب ہو جائے۔
- (۳) جب انسان موزے یا جراثیم اتار لے اور اس کا وضو نہ ہو۔

### مقیم کا مسافر کے پیچھے نماز پڑھنا:

مقیم کے لئے مسافر کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے جب کہ وہ بعد میں اپنی نماز پوری کر لے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب تک سفر میں رہتے دو رکعت نماز پڑھتے۔ آپ نے مکہ معظمہ میں اٹھارہ روزے قیام فرمایا تو مغرب کے علاوہ نمازوں میں دو دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر (سلام پھرنے کے بعد) آپ فرمایا کرتے اے مکہ والو! کھڑے ہو کر بقیہ دو رکعتیں پڑھ لو اس لئے کہ ہم تو مسافر ہیں۔

(ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۸۰)

### مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا:

مسافر جب مقیم کے پیچھے نماز پڑھے گا تو قصر نہیں کرے گا بلکہ پوری نماز پڑھے گا خواہ اس کے ساتھ ایک یا اس سے بھی کم رکعت پائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ مسافر جب تنہا نماز پڑھتا ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہے اور جب مقیم کے پیچھے پڑھتا ہے تو پوری چار رکعتیں پڑھتا ہے؟ فرمایا یہ سنت ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ ابو القاسم رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کچھ فرمایا ہے یہ اکثر ائمہ سلف کا مسلک ہے۔ حضرت حسن بصری، ابراہیم نخعی، زہری، قتادہ اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے ایک رکعت یا اس سے زائد رکعتیں پائے پھر تو وہ پوری نماز پڑھے گا اور اگر ایک رکعت سے کم پائے تو وہ قصر کرے گا۔ (الفتح الربانی: ج ۵ ص ۲۸۱)



## سفر میں روزہ کا حکم

قرآن مجید سورہ بقرہ میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں۔ اور وہیں بتا دیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دی گئی ہے۔

ارشاد ہے:

﴿لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ: ۲۳)

”اور جو تم میں سے رمضان کا مہینہ پائے تو وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی کنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ کو تمہارے لئے سہولت اور آسانی منظور ہے وہ تمہارے واسطے دشواری نہیں چاہتا۔“

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ یہ رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لئے دی گئی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لئے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل چونکہ امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے اس لئے آپ نے کبھی سفر میں روزے رکھے اور کبھی قضا کئے تاکہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے ارشادات اور طرز عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہوتا ہو تو روزہ قضا

کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے جو بہت روزے رکھا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں سفر میں روزے رکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا چاہو تو رکھو اور چاہو تو نہ رکھو۔

(بخاری: ج ۱ ص ۲۶)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ برابر روزے رکھتے رہے یہاں تک کہ آپ مقام عسفان تک پہنچ گئے۔ (وہاں سے آپ نے روزے رکھنے چھوڑ دیئے اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے) آپ نے پانی منگوایا پھر آپ نے اس پانی کو ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا تا کہ سب لوگ دیکھ لیں (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو پیا)۔ پھر مکہ پہنچنے تک آپ ﷺ نے روزے نہیں رکھے اور یہ واقعہ ماہ رمضان میں پیش آیا۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما (اسی بنا پر) کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضا بھی کئے ہیں۔ تو (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے۔ (بخاری: ج ۱ ص ۲۶۱)

اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا جو رمضان ۸ھ میں ہوا تھا۔ اس میں آپ شروع میں روزے رکھتے رہے جب مقام عسفان پر پہنچے (جو مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵۶ میل پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مکہ صرف دو منزل رہ گیا اور اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آ سکتا ہے تو آپ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں۔ اس لئے آپ نے روزہ قضا کر دیا اور سب کو دکھا کے پانی پیا تا کہ کسی کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضا کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ اسی لئے آپ نے عسفان تک برابر روزے رکھے۔ اگر بغیر کسی خالص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ قضا کرنا ہی افضل ہوتا تو

آپ ﷺ شروع سفر ہی سے قضا کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرح اعلانیہ روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ بات آئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ خطا کار اور گنہگار ہیں (کیونکہ انہوں نے منشاء نبوی کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی) اگرچہ دانستہ اور غلط فہمی سے کی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سولہویں رمضان کو جہاد کے لئے چلے تو ہم میں سے بعض نے روزے رکھے اور بعض نے رخصت سفر کی بناء پر قضا کئے۔ تو نہ روزے رکھنے والوں نے قضا کرنے والوں پر اعتراض کیا اور نہ قضا کرنے والوں نے رکھنے والوں پر اعتراض کیا۔ یعنی ہر ایک نے دوسرے کے طرز عمل کو جائز اور شریعت کے مطابق سمجھا۔ (مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۱۷۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو ہم میں سے بعض روزہ رکھے ہوئے تھے اور بعض قضا کئے ہوئے تھے۔ تو ایک دن سخت گرمی تھی ہم ایک منزل پر اترے تو روزے رکھنے والے تو گر گئے اور پڑ گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے وہ اٹھے انہوں نے سب کے لئے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں کو پانی پلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج روزہ قضا کرنے والے ثواب میں بڑھ گئے۔ (مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۱۷۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ آپ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ صاحب روزہ دار ہیں۔ ان کی حالت غیر ہو رہی ہے اس لئے یہ سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: سفر کی حالت میں یہ روزہ تو کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔ (بخاری: ج ۱ ص ۲۶۲)

آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب سفر میں اللہ تعالیٰ نے روزہ قضا کرنے کی رخصت اور اجازت دی ہے اور میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں تو پھر مسلمانوں میں سے کسی کا ایسے حال میں روزہ رکھنا کہ خود بھی گر جائیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھ بھال میں لگ جائیں کوئی نیکی کی بات نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تو رخصت پر عمل کر کے روزہ قضا کرنا ضروری ہے اور اسی میں اللہ کی رضا ہے۔

### ائمہ دین کی تحقیق:

امام احمد بن حنبلؒ، اوزاعی اور اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور رخصت پر عمل کرنا افضل ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اور صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک اگر سفر میں روزہ رکھنا آسان ہے تو وہ افضل ہے ورنہ غیر افضل۔ یہی رائے جمہور علماء (جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں) کی ہے۔ سلف میں سے بعض کے نزدیک روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں یکساں ہیں۔

### امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

اس بارے میں امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی رائے یوں ظاہر کرتے ہیں کہ جس شخص پر سفر میں روزہ رکھنا دشوار ہو اور اس سے اسے نقصان پہنچتا ہو، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کرنے سے قصد اعراض کرتا ہو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل نہیں ہے۔ اسی طرح اس شخص کے لئے بھی روزہ نہ رکھنا افضل ہے جسے روزہ رکھنے سے ریا اور خود پسندی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ طبرانی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول منقول ہے کہ جب تم سفر کرو تو روزہ نہ رکھو۔ اس لئے کہ اگر تم روزہ رکھو

گے تو تمہارے ساتھی آپس میں یہ کہیں گے کہ دیکھو اس شخص کا روزہ ہے۔ اس لئے اس کا خیال رکھو اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دو۔ پھر وہ تمہارے کام بھی کریں گے یہاں تک کہ تمہارے روزہ کا اجر ہی ضائع ہو جائے گا۔ (نیل الاوطار: ج ۴ ص ۲۲۵)

هذا والحمد لله الذى بعزته وجلاله تتم الصالحات والصلوة والسلام  
على رسوله صاحب البركات وعلى ازواجه المطهرات وآله واصحابه  
اهل الخيرات فى الحيوة وبعد الممات۔

محمد علی جان نواز







